دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

ستائیسوین جلد

از

جنوری سنہ ۱۹۳۱ء تا جون سنہ ۱۹۳۱ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد بست و ہفتم جنوری سنہ ۱۹۳۱ء تا جون سنہ ۱۹۳۱ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

فہرست مضامین

جلد بست و ہفتم (۲۷) جنوری سنہ ۱۹۳۱ء تا جون سنہ ۱۹۳۱ء

جلد بست و ہفتم	ماہ شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۱ع	عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

محمد علی!

ماتم یہ زمانہ مین بپا تیرے لیے ہے (جوہر)

مولنا محمد علی نے ۱۴ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو ترپن ۵۳ برس کی عمر مین لندن مین وفات پائی، اس مسافر نے غالب کے اس مصرع کو اپنے شعر مین دہرا کر اپنی مسافرانہ موت کی آپ پیشگوئی کی تھی،

مارا دیار غیر مین مجھکو وطن سے دور

افسوس وہ پر درد آواز جو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندوستان اور دُنیاے اسلام کے ہر قیامت آفرین سانحہ پر نعرہ بنکر بلند ہوتی رہی ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی، وہ بیقرار دل جو اسلام اور مسلمانون کی ہر مصیبت کے وقت بیتاب ہو جاتا تھا، اور اورون کو بیتاب کرتا تھا، دریغا کہ قیامت تک کیلئے ساکن ہوگیا، وہ اشک آلود آنکھین جو دین و ملت کے غم مین آنسوؤن کا دریا بہاتی تھین حسرتا کہ انکی روانی ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی، وہ مترنم لب جو ہر بزم مین خوشنوا بلبل بنکر چہکتے تھے، اُن کے ترانے اب ہمارے کان نہ سنین گے، وہ آتشین زبان جو ہر رزم مین تیغ بران بنکر چمکتی تھی اُسکی تابش اب کسی معرکہ مین ہماری آنکھون کو نظر نہ آئیگی، وہ پرجوش سینہ جو ہمارے مصائب کے پہاڑون کو سیلاب بنکر بہالے جاتا تھا، اُس کا تلاطم ہمیشہ کے لیے تھم گیا، وہ پر زور دست و بازو جو شب و روز کی خدمتگذاری اور زور آزمائی مین مصروف تھے، وہ اب ایسے تھکے کہ پھر نہ اٹھین گے، اور افسوس کہ شکست خوردہ فوج کا وہ آخری سپاہی جو اعدا کے نرغہ مین تنہا لڑ رہا تھا، آخر دشمنون سے چور ہو کر ایسا گرا کہ پھر کھڑا نہ ہوگا، الوداع، الوداع، محمد علی! الوداع، والسلام الی یوم القیام،

تو ملت کا عزادار تھا حق ہے کہ ساری ملت تیری عزادار ہو، تو امت محمدیہ کا سوگوار تھا، فرض ہے کہ پوری امت محمدی تیرا سوگ کرے، تو نے دنیاے اسلام کا ماتم کیا تھا، سزاوار ہے کہ دنیاے اسلام تیرا ماتم کرے، ہندوستان کا ماتم دار، طرابلس کا سوگوار، عراق کیلئے غمزدہ، بلقان کیلئے اشکبار، شام پر گریان، انگورہ پر مرثیہ خوان، حجاز کا سوختۂ غم اور بیت المقدس کیلئے وقف الم، اے ہند کے آوارہ گرد مسافر! تیرا حق سرزمین اسلام کے چپہ چپہ پر تھا، مناسب یہی تھا کہ تیرے لئے اولین قبلۂ اسلام کا سینہ پھٹ جائے اور تو اُسمین سما جائے،

وہ مشرق کی زمین مین پیدا ہوا لیکن مغرب کی آب و ہوا مین نشو و نما پائی، مشرق کی مٹی سے اس کا جسم بنا لیکن مغرب کے ہتھیارون سے اس نے اپنا جسم سجا، اسکا دماغ مغربی، مگر دل مشرقی تھا، وہ مشرق کی حمایت مین بارہا مغرب سے مغرب کے ہتھیارون سے لڑا، اور اس نے اس کا لوہا مانا، وہ مشرق کا آفتاب تھا، یہ آفتاب بھی اگر مشرق مین طلوع ہو کر مغرب مین ڈوبا، تو دنیا کا کوئی نیا واقعہ نہ ہوا، اور اسی لیے حق تھا کہ مشرق و مغرب کا متحدہ مرکز (بیت المقدس) اُس کا مدفن بنے، اے مشرق و مغرب کے مالک تو اپنی رضامندیون کے پھول سے اس کا دامن بھر دے،

محمد علی کے کارنامون مین اُنکی غزلخوانی کوئی بڑا درجہ نہین رکھتی لیکن جس طرح اُنکی آخری پیشینگوئی کی صداقت کو دنیا نے دیکھا اور تسلیم کیا، کہ وہ آزاد غلام ہندوستان کو واپس نہ آیا، اسی طرح ان کے مرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے زندانخانہ مین بیٹھکر اپنے جن واردات کو نظم کیا تھا، وہ سرتاسر صداقت تھے، اور پیشگوئیون کی عجیب و غریب مثالین، اُس نے کہا تھا،

اللہ ہی کے رستہ مین جو موت آئے تو اچھا
اکسیر یہی ایک دعا میرے لیے ہے

محمد علی! مبارک کہ یہ تیری پرتاثیر دعا، اکسیر بنی، اور تیرے حق مین قبول ہوئی،

مولانا محمد علی کا ماتم جسطرح دنیا مین ہوا، مشرق و مغرب مین ہوا، یورپ اور ہندوستان مین ہوا، مصر اور شام مین ہوا، فلسطین اور اس کے بیت المقدس مین ہوا، وہ شاید ہی کسی کے لیے ہوا ہو، صاحبِ دل شاعر کی اس پیشگوئی کی صداقت سے آج کس کو انکار ہے ؎

"ماتم یہ زمانہ مین بپا میرے لیے ہے"

مولانا شبلی مرحوم کے مجموعۂ مضامین کی مسلسل جلدون کی اشاعت کی جو امید ہم نے ناظرین کو دلائی تھی، وہ جلد پوری ہوئی، اُن کے مذہبی مضامین کی پہلی جلد مطبع معارف نے ڈھائی سو صفحون مین چھاپکر شائع کی ہے، اس جلد مین اُن کے تمام قرآنی، کلامی، اور فقہی مضامین شامل ہین، حقوق الذمیین بھی اسی مین داخل ہے، ان مضامین کی مفصل فہرست لوح پر ملیگی، اور اشاعت کی غرض سے اسکی قیمت کم رکھی گئی ہے، بہتر یہ ہے کہ جو لوگ ان مضامین کی مسلسل جلدون کے طلبگار ہین، وہ اپنا نام ہمارے ہان فہرست مین درج کرالین،

گذشتہ دسمبر مین ہمارے قریب کے شہر بنارس مین دو تعلیمی مجلسون نے اپنے اجلاس منعقد کیے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ، اور آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس آجکل کے سیاسی عہد مین تعلیمی دلچسپی کسکو ہے، تاہم خوشی کی بات ہے کہ بنارس مین دونون کانفرنسون کے اجلاس کامیاب رہے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے خطبہ خوان صدر تو نواب مسعود جنگ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی تھے، مگر اکثر اجلاسون کے صدر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ہی، صدر اوّل کا خطبۂ صدارت گو مختصر تھا، لیکن جامع تھا، اور لطیف تر یہ ہے کہ جن نازک اور فتنہ انگیز مباحث کو اُنھون نے چھیڑا تھا، اُن کے لیے طرزِ ادا اور اسلوب بیان نہایت سنجیدہ اور معتدل اختیار کیا تھا، اور بالکل صحیح طریقہ سے اُنھون نے اپنے سامنے یورپ کا نمونہ نہین بلکہ مشرق ہی کی ایک ترقی یافتہ قوم جاپان کا رکھا تھا،

کانفرنس مین معمولی معمولی تجویزون کے علاوہ بعض مفید اور دلچسپ تقریرین ہوئین، اور بعض علمی مضامین بھی پڑھے گئے، نواب صدر یار جنگ کا مضمون حرمین پر نہایت دلچسپی سے سناگیا، مولوی حمید احمد صاحب انصاری متعلم (رجسٹرار) جامعہ عثمانیہ نے جامعہ عثمانیہ پر عمدہ مضمون پڑھا، مولوی ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین نے دار المصنفین کی تاریخ اور کارنامون پر ایک مفصل مضمون پیش کیا، جناب محمود احمد صاحب عباسی کی تقریر سلاطین ہند کے فرامین اور یادگارون کے تحفظ پر دلچسپ معلومات رکھتی تھی، ڈاکٹر ضیاء الدین، شیخ عبد اللہ صاحب اور پروفیسر فدا علی خان کی تقریرین مختلف موضوعون پر ہوئین، کانفرنس کے استقبالی صدر بابا خلیل احمد صاحب کے خطبہ مین بنارس مین ہندؤن کے تعلیمی ادارون پر بہت اچھا تبصرہ تھا، میری تقریر کا عنوان "عربون کے بعض جغرافی معلومات" تھا،

آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس بڑی خوبی سے ہوئی، حاضرین اور مہمانون کی بڑی کثرت تھی، بڑی بڑی ہندوستانی ریاستون کے نمایندے بھی تھے، باہر کے لوگون مین چین، سیام، جاپان اور فرنچ انڈیا کے ممبر آئے تھے، تعجب ہے کہ افغانستان اور ایران کے ہمسایون نے اس سے دلچسپی نہ لی، ہندوستانی صوبون مین مدراس کی اکثریت تھی، بہر حال اہتمام و انتظام، علمی و صنعتی نمایشون، مجمع اور مہمانون کی کثرت، اور عمدہ مقررین کی تقریرون کے لحاظ سے یہ کانفرنس کامیاب رہی، اور چونکہ یہ اس کانفرنس کا سب سے پہلا اجلاس تھا، اسلیئے کوئی کمی قابل شکایت بھی نہین،

ایک خاص نقطۂ نظر سے اس آل ایشیا کانفرنس کو دیکھئے تو آپ جس قدر تعجب کرین وہ کم ہے، ہندو وہ قوم ہے جس نے اپنی تاریخ کے روز ازل سے لیکر آج تک آریہ ورت کے باہر قدم نہین رکھا، کسی دوسری قوم سے مل کر کام کرنا، اسکی فطرت نہین، اتحاد اقوام ایشیا کسی نظر سے بھی ہو، اسکی آواز سے ہندو بھائیون کے کان کبھی آشنا نہین، لیکن باین ہمہ یہ دیکھکر اپنے وطنی بھائیون کی ذہنیت کے حسنِ انقلاب پر کسقدر حیرت ہے کہ اُنھون نے آل ایشیا ایجوکیشنل کانفرنس کا تخیل کیا، اس کا انتظام کیا، اُن کے امرا نے اس کے لیے چندے دیے، اُن کے

اہل علم و اہل تعلیم نے اس مین اپنا وقت اور قابلیت صرف کی، اُن کے نوجوان اُسمین والنٹیر بھرتی ہوئے، اور کانفرنس کے سوحصۂ اجلاس کے قدم قدم پر ان کی زندگی کے نشان ملتے تھے،

خدا جانے ہم مسلمان اس نکتہ کو کب سمجھینگے کہ اصل شی زندگی کی رُوح ہے، وہ پیدا ہو تو سب کچھ پیدا ہو، جسم مین رُوح ہو تو اس کے ہر عضو مین احساس ہوگا، ورنہ بیجان جسم کے کسی ایک عضو مین احساس پیدا کرنے کی کوشش سے پورے جسم مین روح پیدا نہوگی، قومون کی روح مذہب یا سیاست ہے، جو قوم ان دونون سے بھاگیگی وہ فنا ہو کر رہیگی،

ڈاکٹر ایس، ایم متر اایک ہندو وید تھے، جنھون نے اپنا ویدک مطب لندن جاکر کھولا تھا، اور کامیاب ہوئے تھے، بہت سی کہنہ بیماریون کے معرکے کے علاج کئے، اُن کے وہان انگریز شاگرد بھی پیدا ہوے، منجملہ اُنکے ایک انگریز خاتون مسز جیا مین ہین، مسز موصوفہ نے ویدک علاج کی نسبت انگریزون کے شکوک دور کئے ہین، اور ویدک طریقۂ علاج پر ایک کتاب انگریزی مین لکھی ہے جسکا نام ہے (SAME ASPECTS OF HINDU MEDICAL TREATMENT) اور لیوزک کمپنی (۲۰ گریٹ رسل اسٹریٹ لندن) نے چھاپی ہے، ٹائمز نے اپنے لٹریری سپلیمنٹ مین اسپر ریویو کیا ہے کہ کیا اسلامی طب اور ویدک سے بھی زیادہ کہنہ، قدیم اور فرسودہ ہے کہ اس نئے عہد مین اسکو پیش کرتے ہوے مسلمان طبیب جھجکتے ہین، نئے اور پرانے پر موقوف نہین، دل و دماغ مین قوت چاہئے،

دار المصنفین مین جو مسجد بن رہی تھی، بحمد اللہ کہ بنکر تیار ہوگئی، مجلس کے صدر نشین نواب صدر یار جنگ مولٰنا شروانی نے بناس سے جو نور ہوکر غلط ہے(؟) صرف اسی غرض سے تشریف لائے کہ اس مسجد کا افتتاح کرین، افتتاح کی رسم یہ تھی کہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۱ کو جمعہ کے دن مولانا کی امامت مین اسمین جمعہ کی نماز ادا کیگئی، اور بعد نماز "مسجدون کی اصلی آبادی" پر ایک مؤثر وعظ فرمایا، یکم رمضان المبارک سے وہ باقاعدہ کھل گئی ہے، اور نماز و جماعت و تراویح قائم ہوگئی، خدا دار المصنفین کے ساکنون کو توفیق دے کہ وہ اسکی ظاہری و باطنی آبادی مین کوشان رہین،

مقالات

مولینا حمید الدین!

ولادت ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۲ء - وفات ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ء

فغان کہ گشت نیوشندۂ سخن خاموش   دگر بگو نہ تسلی کنم من این لب و گوش

اس سے پہلے ہندوستان کے جن اکابر علماء کا ماتم کیا گیا ہے، وہ کل وہ تھے، جن کی ولادت اور نشو و نما انقلابِ زمانہ سے پہلے ہوئی تھی، آج سب سے پہلی دفعہ ہم نئے عہد کے سب سے پہلے عالم کی وفات کے ماتم مین مصروف ہین، ہم ایک ایسے گریجویٹ عالم کا ماتم کرتے ہین جو اپنے علم و فضل، زہد و ورع، اور اخلاق و فضائل مین قدیم تہذیب کا نمونہ تھا، لیکن جو اپنی روشن خیالی، جدید علوم و فنون کی اطلاع و واقفیت اور مقتضیات زمانہ کے علم و فہم مین عہد حاضر کی سب سے بہتر مثال تھا، اس سے پہلے ان تمام علماء نے جو نئے علم کلام کا اپنے کو بانی کہتے اور سمجھتے ہین، جو کچھ کہا اور لکھا، وہ دوسرون سے سنی سنائی باتین تھین، لیکن اس جماعت مین یہ پہلی ہستی تھی، جس نے فلسفۂ حال کے متعلق نفیاً یا اثباتاً جو کچھ کہا اور لکھا وہ اپنی ذاتی تحقیق اور ذاتی علم و مطالعہ سے،

آج ہمارے سامنے ایسے متعدد علماء کی مثالین ہین جنھون نے عربی علوم کی تکمیل کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی، اور بی اے اور ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کی سندین حاصل کین، لیکن اس طرح کہ

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

نئے رنگ نے پرانے رنگ کو اتنا پھیکا کر دیا، کہ اُن پر اُس کا نشان بھی نظر نہین آتا، لیکن آج ہم جس ہستی کا تذکرہ کر رہے ہین، اُس کا یہ حال تھا کہ اس کے نئے رنگ کی شوخی سے اس کے پرانے رنگ کا گہرا پن اور بڑھ گیا تھا اور اس کو دیکھکر یہ سمجھنا بھی مشکل تھا کہ یہ علی گڈھ کالج اور الہ آباد یونیورسٹی کا گریجویٹ ہی، بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کی سادگی کو دیکھکر عوام بظاہر اس کو عالم بھی بمشکل ہی باور کر سکتے تھے، مگر وہ تھی، جو ابنائے زمانہ مین کوئی نہین،

ولادت | اعظم گڈھ سے دو اسٹیشن پہلے پھریہا ایک گاؤن ہے، وہی مولانا کا پدری وطن تھا، اسی پھریہا کو عربی شکل دیکر مولانا اپنے نام کے ساتھ کبھی کبھی فراہی لکھا کرتے تھے، مولانا شبلی مرحوم اور مولانا حمید الدین میرے پھوپھیرے بھائی تھے، مولانا حمید الدین کے والد مولوی عبد الکریم صاحب مولانا شبلی کے ماموں تھے، دونون بھائیون کی پیدائش چھ برس آگے پیچھے ہوئی، مولانا شبلی ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۷ء مین پیدا ہوئے، اور مولانا حمید الدین صاحب ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء مین، مولانا حمید الدین کے حقیقی چھوٹے بھائی شیخ حاجی رشید الدین صاحب ہین، جو علی گڈھ کالج کے پرانے تعلیم یافتون مین ہین، اور سرسید کے عہد کے طالب العلم اُن سے اچھی طرح واقف ہین،

مولانا کا اصلی نام تو حمید الدین تھا، مگر وہ اس نام کو جو درحقیقت عربی قاعدہ سے لقب ہی، اپنے لئے معنوی حیثیت سے بلند سمجھتے تھے، اس لئے وہ عربی تصانیف مین اپنا نام عبد الحمید لکھتے تھے، اور تمام بڑے بڑے عالمانہ آداب والقاب کو چھوڑکر صرف معلم کہلانا اپنے کو پسند فرماتے تھے، بنابرین، وہ اپنا نام المعلم عبد الحمید الفراہی، کتابون کی لوحون پر لکھا کرتے تھے،

تعلیم | مولانا نے پہلے حفظ شروع کیا، اور قرآن مجید کے حافظ ہوئے، اور فارسی کی ابتدائی کتابین اسی ضلع کے ایک دیہات چتارا کے باشندہ مولوی مہدی حسین صاحب سے پڑھین، اس زمانہ مین شرفا کی تعلیم کا فارسی ادب سب سے اہم جزو تھا، مولانا کو ادبیات سے فطری لگاؤ تھا، چنانچہ فارسی زبان اور فارسی ادب کا ذوق بچپن سے اُن مین نمایان تھا، اس وقت مولانا شبلی مرحوم عربی کی اعلیٰ کتابین اعظم گڈھ مین مولانا فاروق

صاحب چریاکوٹی سے پڑھ رہے تھے، مولانا فاروق صاحب اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بھی [illegible] بڑے ادیب اور استاد تھے، مولانا حمید الدین صاحب کی آمد و رفت یہان بھی رہا کرتی تھی، اور یہ عالمانہ صحبتین انکو ملا کرتی تھین،

ابھی مولانا کی عمر سولہ برس کی تھی، کہ فارسی کے سب سے مشکل گو شاعر خاقانی شروانی کے تتبع مین ایک قصیدہ لکھا جس کی ردیف آئینہ اور قافیہ جوہر کیفر وغیرہ ہے، سلطان عبد الحمید خان کی مدح مین ہی، مطلع ہی

بے جلوۂ رخِ تو بود مضطر آئینہ، ‏ خارا فگند بہ پیرہن از جوہر آئینہ

بعد کے شعر ہین،

گیسوے ہمچو شب تو بیارلے دہم بصبح ‏ فرمائے تو بیاورد از خاور آئینہ

گستاخ دیدہ است برُوے تو لاجرم ‏ چشم سپید یافت بدین کیفر آئینہ،

آئینہ واگذار و بیا در دو دیدہ ام، ‏ چشم بود ز آئینہ بہتر ہر آئینہ،

در بزم انس خویش چرا جاے دادۂ ‏ تا می شود برابرِ تو اکثر آئینہ،

کے باضمیرِ شاہ شود ہمسر آفتاب

کے روے ہمچو ماہ ترا ہمسر آئینہ

۲۸ شعرون کا قصیدہ تھا، لوگون کو پڑھکر بڑی حیرت ہوئی، یہ فارسی، یہ لطفِ زبان، یہ شیرینی اور یہ شکوہ دیکھکر سب کو تعجب تھا، مولانا شبلی فرماتے تھے، کہ مین نے اس کو لیجا کر مولانا فاروق صاحب کو دکھایا، اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ کس کا کلام ہے، اُنھون نے فرمایا یہ تو نہین بتا سکتا، مگر قدما مین سے کسی کا معلوم ہوتا ہے، مولانا شبلی نے فرمایا یہ حمید کا ہے، حیرت ہو گئی،

مولانا حمید الدین صاحب فطرۃً نہایت ذہین، نہایت طبّاع، اور نہایت وقیقہ رس تھے انکا ذہن نہایت صاف تھا، وہ اول ہی وہلہ مین بے کج و پیچ حقیقت کی منزلِ مقصود تک پہونچ جاتے تھے، ان کا نظر

مسائل کی تشریح اور مشکلات کے حل مین ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا تھا، دماغ اتنا سلجھا تھا، کہ کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ ہو وہ اسکی اصل تہ تک پہونچ جاتے تھے، اور اگر وہ مناظرہ پر اتر آتے تو کیسی ہی غلط بات ہو وہ اسکی ایسی عمدہ عمدہ دلیلین پیش کرتے تھے کہ حریف ساکت ہو جاتا تھا، اور سمجھ لیتا تھا کہ یہ مولانا کی اصلی رائے ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکرا کر فرماتے کہ یہ تو غلط تھا اصلیت یہ ہے،

فارسی کے بعد مولانا نے عربی کی تعلیم شروع کی، اور بھائی (مولانا شبلیؒ) سے عربی پڑھنے لگے، چنانچہ متوسطات تک مولانا شبلی ہی سے تعلیم پائی، مولانا شبلی جب یہان سے باہر نکلے تو یہ بھی گئے، لکھنؤ جاکر مولانا حمید الدین صاحب نے فرنگی محل مین، مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی سے کچھ پڑھا، اس زمانہ مین لکھنؤ مین خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی (پروفیسر فارسی کیننگ کالج لکھنؤ و مصنف قیصر نامہ) لکھنؤ مین فارسی کے نہایت مستند استاد اور شاعر تھے، اُن کی صحبتون مین شرکت کا اتفاق ہوتا رہا، اور ان دونون بھائیون سے خواجہ صاحب کے فارسی کے رشتہ سے تعلقات محبت، عزیزانہ حیثیت تک پہونچ گئے تھے، لکھنؤ کے بعد مولانا لاہور جاکر مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے عربی ادب کی کتابین پڑھین، اس زمانہ مین یہان نیا نیا اورینٹل کالج کھلا تھا، مولانا فیض الحسن صاحب اپنے عہد کے مشہور ادیب اسمین مدرس تھے، انکا نام سنکر دور دور سے طلبہ پڑھنے آتے تھے، لیکن مولانا حمید الدین صاحب نے مولانا فیض الحسن صاحب سے خارج مین پڑھا، اور یہین اُن کی ملاقات مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی سے ہوئی، اور وہ دوستی تک پہونچی، جو آخر تک قایم رہی، اور اسی دوستی کی کشش تھی کہ مولوی وحید الدین صاحب سلیم جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد تک پہونچے،

مولانا بیس برس کی عمر مین ۱۳۰۰ھ مین عربی تعلیم سے فارغ ہو گئے، اور عربی ادب مین بھی وہ کمال حاصل کیا کہ سچ یہ ہے کہ وہ اسمین اپنے استادون سے بھی گوے سبقت لے گئے، اُن کا عربی دیوان اس بیان کا شاہد ہے،

انگریزی تعلیم | اس زمانہ مین انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا، مگر یہ کفر مولانا نے توڑا، نجی کے طور پر انگریزی

پڑھ لینے کے بعد کرنل گنج اسکول الہ آباد مین داخل ہو گئے، انٹرنس کا امتحان پرائیویٹ طور پر دے کر ... اے، او کالج علی گڈھ مین داخل ہوئے، یہ علی گڈھ کالج کے اوجِ شباب کا زمانہ تھا، سرسید اس کے ناظم اعلیٰ، مسٹر آرنلڈ اور بک وغیرہ اس کے پرنسپل اور پروفیسر، اور مولانا شبلی اس کے مدرس، مولانا حالی وہان کے مقیم و ساکن تھے، ہر وقت علمی مسائل و تحقیقات کے پیچھے رہتے تھے، اور ان بزرگون کی صحبتین حاصل تھین، جنہین ہر ہونہار طالب العلم کے فطری جوہر کے چمکنے کا موقع حاصل تھا، مسٹر آرنلڈ فلسفہ پڑھاتے تھے مولانا کو فلسفۂ جدیدہ کا ذوق انھین کی تعلیم سے ہوا،

اس زمانہ مین کالج کے ہر طالب العلم کو عربی و فارسی بھی لازماً پڑھنی پڑتی تھی، مگر سرسید نے ان کے متعلق مسٹر بک کو لکھکر بھیجا کہ حمید الدین عربی و فارسی کے ایسے ہی فاضل ہین جیسے آپ کے کالج کے استاد اور پروفیسر ہین، اس لئے انکو مشرقی علوم کے گھنٹون سے مستثنیٰ کر دیا جائے، چنانچہ وہ مستثنیٰ کئے گئے،

مولانا حمید الدین صاحب کی تالیف و تصنیف کا عہد طالب العلمی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور خود بزرگون نے فرمایش کرکے شروع کرایا، اسی زمانہ مین علی گڈھ کالج کے دینیات کے لئے سرسید نے مولانا شبلی مرحوم سے عربی مین سیرۂ نبوی پر ایک مختصر رسالہ لکھوایا تھا، جس کا نام "تاریخ بدء الاسلام" ہے، پھر مولانا حمید الدین صاحب سے اُس کا فارسی مین ترجمہ کرایا، استاد و شاگرد کے یہ دونون عربی و فارسی رسالے اسی وقت چھپ گئے تھے،

سرسید کو طبقات ابن سعد کا ایک ٹکڑا وفود نبوی کے متعلق کہین سے ہاتھ آیا تھا، اس وقت تک یہ چھپی نہین تھی، سرسید نے مولانا حمید الدین صاحب سے اسکا فارسی ترجمہ کرا کے چھپوایا، اس کی زبان ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد سامانی کا کوئی نثر نویس فارسی لکھ رہا ہے،

غالباً ۱۸۹۲ء مین یا اس کے پس و پیش الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔

۱۸۹۵ء مین عربی مین ایم اے کا امتحان دینا چاہا تھا، مگر نہین دے سکے، ۱۸۹۶ء مین مدرسۃ الاسلام

؎ مکاتیب شبلی جلد دوم بنام مولانا حمید الدین صاحب خط نمبر ۱،

کراچی مین مدرسی کی کوشش کی، سر سید نے سرٹفکٹ دیا،[1] اسی زمانہ مین مسٹر آرنلڈ انگریزی مین عربی گرامر کی ایک مختصر کتاب ترجمہ کرانا چاہتے تھے، اس کے لئے مولانا ہی کا نام ان کے ذہن مین تھا،[2]

ملازمت

بہرحال مولانا کا تعلیمی عہد ختم ہوگیا، ۱۸۹۶ء وہ مدرسۃ الاسلام کراچی مین مدرس مقرر ہوگئے یہ مسلمانون کا ایک انگریزی کا بہت پرانا اسکول ہے، اس کی عمارت بہت شاندار، اور اسٹاف اعلیٰ ہے، اور سندھ مین اس کو کافی شہرت حاصل ہے، مولانا یہین ۱۹۰۶ء تک رہے، ۱۹۰۶ء مین امیر عبد الرحمان خان والی کابل ایک ترجمہ کا محکمہ قائم کرنا چاہتے تھے، اسمین ابن خلدون کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا، اس کے لئے مولانا شبلی نے انکا انتخاب کیا، مگر کسی وجہ سے یہ تجویز عمل مین نہ آسکی، اور وہ کراچی مین بدستور رہے، اور درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا، یہین کے قیام کے زمانہ مین ۱۹۰۳ء مین انکا فارسی دیوان شایع ہوا، اور مولانا شبلی مرحوم کے بار بار کے تقاضے سے جیسا کہ مکاتیب شبلی جلد دوم مین اُن کے خطوط سے ظاہر ہے علمی مباحث پر نقد و نظر کی طرف توجہ فرمائی، اور خصوصیت کے ساتھ قرآن پاک کے نظم و بلاغت مین انہماک پیدا ہوا، اور جمہرۃ البلاغۃ نام رسالہ لکھا جسکا خلاصہ مولانا شبلی مرحوم نے خود اپنے قلم سے الندوہ کے دسمبر ۱۹۰۵ء مین شایع کیا،

اسی زمانہ مین (غالباً ۱۹۰۳ء مین) جب اُس وقت کے ویسرائے لارڈ کرزن نے سواحل عرب اور خلیج فارس کا سیاسی بحری سفر کیا تھا، اور سواحل کے عرب شیوخ اور امرا کو اپنی ملاقات کے لئے جمع کیا تھا، تو مولانا ہی کا انتخاب ترجمان کی حیثیت سے ہوا تھا، وہ اس سفر مین لارڈ کرزن کے ساتھ تھے اور عرب سردارون کے سامنے لارڈ کرزن کی طرف سے جو عربی تقریر پڑھی گئی تھی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی،

۱۹۰۶ء مین گورنمنٹ نے علی گڈھ کالج کو ایک معتد بہ عطیہ عربی تعلیم کے لئے دیا تھا، جس کے لئے شرط یہ تھی کہ اسکا پروفیسر کوئی یورپین ہو، چنانچہ جرمن فاضل یوسف ہارویز کا اس کے لئے انتخاب ہوا،

[1] مکاتیب شبلی جلد دوم بنام مولانا حمید الدین صاحب، خط نمبر ۲ ۔ [2] ایضاً خط نمبر ۳،

ساتھ ہی مولانا کا انتخاب مددگار پروفیسر کی حیثیت سے ہوا، اور وہ علی گڈھ چلے آئے، علی گڈھ مین بھی وہ زیادہ دن نہین رہے، بہرحال جتنے دن بھی رہے، اپنے علمی کاروبار مین مصروف رہے، ہارویز صاحب مولانا سے اپنی عربی کی تکمیل کرتے تھے، اور مولانا اُن سے عبرانی سیکھتے تھے، اور ساتھ ہی قرآن پاک کی تفسیر اور تفسیر کے مقدمہ کے اجزا کی تالیف کا کام جاری تھا،

مولانا شبلی مرحوم کے تعلق کے سبب سے، پھر خود مولانا حمید الدین صاحب کے ذاتی فضل و کمال کے باعث علی گڈھ کے علمی حلقہ سے ان کے روابط قائم ہوگئے تھے، خصوصاً نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس حبیب گنج کی ذوق آشنا اور قدر شناس نگاہون سے وہ کہان بچ سکتے تھے، چنانچہ اکثر آمد و رفت رہتی تھی، نواب صاحب ممدوح نے مولانا کی وفات کے بعد جو والا نامہ مجھے لکھا ہے اسمین رقم فرماتے ہین،

"مجھکو مولانا سے دیرینہ نیاز حاصل تھا، ابتدائی ملاقات کا ذریعہ علامہ شبلی، مرحوم تھے، علی گڈھ کی پروفیسری کے زمانہ مین ملا، پھر حیدرآباد مین......... علی گڈھ کے دور مین بھی تدبر قرآنی کا شغف جاری تھا، روزانہ ۳ بجے شب سے صبح کے نو بجے تک اسمین وقت صرف کرتے تھے، ملاقات کے وقت نتائج تحقیق بیان فرماتے، اس زمانہ مین دیگر کتب سماوی کا مطالعہ اور اسکی مدد سے مطالب قرآنیہ کا حل خاص کر پیش نظر تھا، اسی حالت مین علی گڈھ چھوڑا"

اجزا جو لکھتے جاتے تھے وہ مولانا شبلی مرحوم کی خدمت مین بھیجتے رہتے تھے، اور مولانا اس کے متعلق اپنی رائے خطوط مین اور زبانی ظاہر فرماتے تھے، شروع شروع مین استاد کو اپنے شاگرد کے اس نظریہ سے اختلاف تھا کہ قرآن پاک کے مطالب و معانی مرتب و منظم ہین، اور وہ مولانا حمید الدین صاحب کی اس کوشش کو رائگان سمجھتے تھے، لیکن جب انھون نے ان کی تفسیر کے متعدد اجزا دیکھے تو قائل ہوگئے اور آخر داد دینے لگے، اور حوصلہ افزائی کرنے لگے، اور آخر آخر مین تو وہ مولانا حمید الدین

کی نکتہ دانی کے اس درجہ قائل ہو گئے تھے کہ قرآنی مشکلات کے حل مین وہ ان سے مشورہ لینے لگے[۱] ایک خط مین لکھتے ہین:-

"تفسیر ابی لہب اور جمہرۃ البلاغہ کے اجزا بغور دیکھے، تفسیر پر تمکو مبارکباد دیتا ہون، تمام مسلمانون کو تمھارا ممنون ہونا چاہئے، بلاغت کے بعض اجزا معمولی اور سرسری ہین، اکثر حصہ کار و البتہ قابلِ قدر ہو" (جون ۱۹۰۵ء)

علی گڈھ کے قیام ہی کے زمانہ مین انھون نے اقسام القرآن لکھی یعنی اس مشکل کا حل فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید مین قسمین کیون کھائی ہین، اس سوال کے جواب مین سب سے پہلے امام رازی نے تفسیر کبیر مین جستہ جستہ فقرے لکھے تھے، پھر ابن القیم نے التبیان فی اقسام القرآن لکھی، مگر مولانا حمید الدین صاحب کی تحقیقات نے اپنی الگ شاہراہ نکالی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ مین انھون نے ایسی دادِ تحقیق دی کہ تیرہ سو برس مین اسلام مین کسی نے نہین دی، مولانا شبلی مرحوم نے اُنکے اس رسالہ کا خلاصہ نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ الندوہ اپریل ۱۹۰۶ء مین شایع کیا، اور عربی رسالہ اقسام القرآن کے نام سے الگ شایع ہوا اسکے بعد اس رسالہ کو مزید تحقیقات سے مؤید کرکے امعان فی اقسام القرآن کے نام سے علی گڈھ مین چھپوایا[۲] اس وقت سے لیکر آج تک مختلف میان تحقیق نے اقسام القرآن پر جو کچھ کہا ہو، وہ تمام تر مولانا کے خوانِ علم کی زلہ ربائی ہو،

اس کے بعد اگست ۱۹۰۵ء مین اقسام القرآن کے علاوہ سورہ ابی لہب اور سورہ قیامت کی تفسیر بن چھپین اور اہلِ علم نے اُن کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، علامہ سید رشید رضا صاحب المنار مصر جو خود تفسیر لکھ رہے تھے، انھون نے ان پر مداحانہ اور معترفانہ تقریظ لکھی، اور تحسین کی، ۱۹۰۵ء کے بعد جب مولانا حمید الدین صاحب کراچی یا علی گڈھ سے وطن آتے جاتے تو لکھنؤ مین بھائی

---

[۱] یہ تمام عبارت مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین نظر آئین گے، [۲] ابھی حال مین دار المصنفین نے مولینا کے اس رسالہ کو مصر سے خوبصورت ٹائپ مین چھپوایا ہو، ایک مہینہ مین امید ہو کہ ہندوستان پہونچ جائے، شاید ۸ر قیمت ہو،

کے پاس کچھ دن ٹھہر کر آتے جاتے، اور ۱۹۰۵ء سے مولانا خاص طور سے تقاضا کرکے بلواتے اور اپنے پاس ٹھہراتے مقصود یہ تھا کہ ندوہ کے طلبہ ان سے فائدہ اٹھائین، چنانچہ انھین کے اصرار سے کئی دفعہ وہ ندوہ مین آ آ کر رہے اور طلبہ کو کبھی فلسفہ جدیدہ اور کبھی قرآن کے سبق پڑھائے، مین بھی اس زمانہ مین ندوہ کا طالب العلم تھا، مولانا کے ان درسون سے مستفید ہوا،

اس زمانہ مین مولانا ابو الکلام صاحب مولانا شبلی مرحوم کے پاس ندوہ مین مقیم تھے، اور الندوہ کے مددگار اڈیٹر تھے، وہ مولانا حمید الدین صاحب کی ان صحبتون سے مستفید ہوتے رہے، اور قرآن پاک کے درس و نظر کے نئے راستون کے نشان پانے لگے، اور بالآخر الہلال کے صفحات مین اس جادہ پیائی کے مختلف مناظر سب کی نظرون کے سامنے آئے، اسی زمانہ مین، ندوۃ العلماء نے ان کو اپنی مجلس انتظامی کا رکن بنایا، اور آخر زمانہ تک وہ برابر رکن رہے،

مولانا حمید الدین صاحب علی گڈھ مین دو سال کے قریب رہے، اس کے بعد ۱۹۰۷ء مین الہ آباد یونیورسٹی مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، کالج کے درس کے علاوہ بقیہ اوقات وہ تالیف و تصنیف مین صرف کرتے تھے، یہین سے انھون نے سورۂ تحریم کی تفسیر شایع کی، اور خالص فارسی مین یعنی عربی الفاظ کی آمیزش کے بغیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے مواعظ کا عبرانی سے فارسی نظم مثنوی مین ترجمہ شروع کیا تھا، مولانا کا الہ آباد ہی مین قیام تھا کہ ان کے اہل برادری مین ایک نئے عربی مدرسہ کے قیام کی تحریک پیدا ہوئی، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے اس تحریک کی عنان اپنے ہاتھ مین لی اور ۱۹۰۸ء اعظم گڈھ مین مولانا حمید الدین صاحب کے قریہ پھریہا سے ایک اسٹیشن بعد **سرائے میر** نام مقام مین آبادی سے باہر ایک باغ مین اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی، مولانا شبلی نے اس کی نظامت کا بار مولانا حمید الدین صاحب کے کندھے پر رکھنا چاہا، ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کے ایک مکتوب مین وہ لکھتے ہین:-

"کیا تم چند روز سرائمیر کے مدرسہ مین قیام کرسکتے ہو، مین بھی شاید آؤن، اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے، اسکو گروکل کے طور پر خالص مذہبی مدرسہ بنانا چاہئے یعنی سادہ زندگی اور قناعت اور مذہبی خدمت مطمح زندگی ہو"[1]

اس مدرسہ نے رفتہ رفتہ ان دونون بزرگون کے زیر ہدایت ترقی شروع کی، اور یہ لوگ کبھی کبھی اس کو دیکھتے رہے،

مولانا ۱۹۱۳ء تک الہ آباد مین رہے،

حیدر آباد دکن مین دار العلوم کے نام سے ایک قدیم عربی مدرسہ تھا، جس نے حیدر آباد کی علمی و تعلیمی ترقی مین کارنمایان انجام دیا تھا، اُس کا الحاق مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات سے تھا، غالباً ۱۹۰۸ء مین مدراس یونیورسٹی نے اس الحاق کو توڑ دیا، اب ریاست کے تعلیمی محکمہ کے ذمہ دار افسرون کو اس قدیم مدرسہ کے جدید انتظامات و تغیرات کی فکر لاحق ہوئی، اور اس کے لئے نواب عماد الملک مرحوم سابق ناظم تعلیمات حیدر آباد دکن، اور مسٹر المالطیفی آئی سی ایس جو اس وقت ناظم تعلیمات تھے، اور مسٹر حیدری وغیرہ نے اہل فن کی مجلس بنائی، جس کے ایک ممبر مولانا شبلی مرحوم تھے، مولانا نے اس کے لئے ایک اسکیم مرتب کی، اور ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے کی تجویز پیش کی، یہ تجویز اُسی وقت الندوہ مین مولانا نے شایع بھی کر دی تھی، مولانا شبلی مرحوم کا اُس وقت کا تخیل یہ تھا کہ عربی زبان کی یہ ایک یونیورسٹی ہوگی جسمین جدید علوم کی بقدر ضرورت آمیزش ہوگی، یہ اسکیم مدت تک زیر بحث رہی، اس اسکیم کے مطابق دار العلوم کو چلانے کے لئے مولانا حمید الدین صاحب کا انتخاب ہوا، اور وہ اُس کے صدر (پرنسپل) بنائے گئے، اور ۱۹۱۴ء کے اوائل مین الہ آباد سے حیدر آباد چلے گئے، حیدر آباد جا کر اس نئی مشرقی یونیورسٹی کے خاکہ بنانے مین مصروف ہوئے، درس و تدریس

[1] مکاتیب شبلی ج ۲ ص ۳۳،

کے علاوہ مدرسہ کی انتظامی نگرانی بھی اُن کو کرنی پڑتی تھی، اُنھون نے رفتہ رفتہ مدرسہ کی ظاہری و باطنی ترقیون کی کوششین شروع کین، مسٹر المالطیفی سے اُن کے خیالات کا اتحاد نہ ہوا، بالآخر ایک دو سال کے بعد مسٹر المالطیفی کی جگہ راس مسعود صاحب نے لی، اور انھون نے اُن کے ساتھ مل کر کام شروع کیا،

مولانا شبلی مرحوم کی فرمایش سے نواب عماد الملک مرحوم نے قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کا جو کام شروع کیا تھا، وہ نصف کے قریب انجام پا چکا تھا، مگر اُسمین جابجا نقائص تھے، نواب صاحب نے مولانا حمید الدین صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا، اور مدت تک یہ شغل جاری رہا، کہ مولانا روزانہ صبح کو نواب صاحب کے یہان جاتے، اور نواب صاحب با این ہمہ ضعف و پیری انگریزی ترجمہ پر مل کر غور کرتے، اور مناسب مشورہ ملنے پر اصلاح و ترمیم کرتے، اس طرح اُن کے ترجمہ کے کئی پارون پر نظر ثانی ہوئی، پھر یہ کام رک گیا، لیکن یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی وفات کے بعد یہ اصلاح شدہ اجزا اس طرح کاغذات مین مل گئے کہ پھر انکا پتہ نہ چلا، مین نے نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید نواب مہدی یار جنگ بہادر کو تحریری و زبانی کئی دفعہ انکی تلاش کی طرف توجہ دلائی، مگر انھون نے اُن کے ملنے سے مایوسی ہی ظاہر کی،

مولانا شبلی مرحوم اس وقت سیرۃ نبویؐ کی پہلی جلد لکھ رہے تھے، یہود و نصاریٰ اور اہل کتاب کے مناظرانہ مسائل اور قرآن پاک کے استدلالات مین وہ برابر اپنے بھائی سے مشورے لیتے رہتے تھے، جو مکاتیب (۲-۵۷) سے ظاہر ہین، سیرت جلد اول کے مقدمہ مین حضرت اسمٰعیلؑ کی سکونت اور قربانی کے متعلق جو باب ہے، اس کا مواد مولانا حمید الدین ہی نے بہم پہونچایا تھا، جس کو آیندہ چل کر مولانا حمید الدین صاحب مرحوم نے بڑھا کر اور پھر اور زیادہ استقصا کرکے الرای الصحیح فی من ہو الذبیح کے نام سے الگ شائع کر دیا،

(باقی)

دربارِ عادلشاہی کا ایک مشہور مورخ

رفیع الدین شیرازی مصنف تذکرۃ الملوک،

از

جناب سید احمد اللہ صاحب قادری نائب اڈیٹر رسالۂ تاریخ،

دکن مین جن باکمال ہستیون نے علمِ تاریخ کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہین اُن مین رفیع الدین شیرازی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، رفیع الدین کے آبا و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے، ۹۶۷ھ مین رفیع الدین وطن کو خیرباد کر کے دہلی مین چلے آئے، اُن کے والد بزرگوار کا نام نورالدین توفیق تھا، یہ بڑے عالم و فاضل آدمی تھے، جس زمانہ مین رفیع الدین دہلی مین وارد ہوئے تھے، اس وقت ہندوستان پر اکبر کے اقبال کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور دکن مین پانچ سلطنتین برسرِ اقتدار تھین، جن مین بیجاپور، احمدنگر اور گولکنڈہ کے فرمان روا خاص درجہ رکھتے تھے، خاص کر داد و دہش اور علمی فیاضیون مین شاہانِ بیجاپور سب سے زیادہ مشہور تھے، اور ان کے نام کا سکہ مشرق اور مغرب مین یکسان روان تھا، اسی باعث رفیع الدین بھی ۹۶۶ھ مین دہلی سے سیدھا (نصرت آباد) ساگر[1] مین چلا آیا اور وہان سے بیجاپور مین آکر سلطان علی عادل شاہ (۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ) کے دربار مین باریاب ہوا، بادشاہ نے اس کو اپنے پاس خوان سالار کے عہدہ پر مامور فرما دیا، اور بعد مین منصب حوالداری محلات اور خزانہ داری

[1] بیجاپور کی ایک سرکار تھا۔ دیکھو سوانح دکن از منعم خان ہمدانی مخطوطہ۔

کی خدمات بھی مزید عنایت کین،

۹۸۰ھ مین یہ بیجاپور کے مقتدر امرا مین شمار کیا جاتا تھا، اور اس وقت بادشاہ کے حکم سے محل پر متعین کیا گیا تھا۔ جب ۲۳ صفر ۹۸۸ھ کو سلطان علی عادل شاہ کا قتل ہوا تو یہ اور افضل خان شیرازی دونون بادشاہ کے فرودگاہ تک بالباس و بیش داخل ہو گئے مگر جس وقت محل مین پہنچے، اس وقت بادشاہ خنجر کے صدمے سے گھائل ہو کر انتقال کر چکا تھا۔

افضل[1] خان شیرازی بیجاپور کا وزیر اعظم اور رفیع الدین شیرازی کا برادر عم زاد تھا۔

۹۸۸ھ مین جب سلطان ابراہیم عادل شاہ تخت نشین ہوا تو اس وقت شہزادہ کی عمر نو سال کی تھی۔ امرا نے وزارتِ عظمیٰ کی خدمت پر کامل خان دکنی کا تقرر کرا دیا۔ اور چاند بی بی (بیگم سلطان علی عادلشاہ) شہزادہ کی نگران مقرر ہوئی۔ کامل خان نے ابتدا مین نہایت جانبازی اور مستعدی سے اس خدمت کو انجام دیا، لیکن بعد مین بعض امراء کے اغوا سے سرکش ہو گیا، اس وقت رفیع الدین نے حفاظتِ ملک کے لئے جو تدابیر اختیار کئے تھے، وہ تاریخ مین خاص الفاظ مین لکھے گئے ہین۔

[1] افضل خان شیرازی ایران کا رہنے والا تھا جب یہ آٹھ سال کا تھا، اُس وقت اس کا باپ مر گیا، ملا فتح اللہ شیرازی سے اس نے علوم کی تحصیل کی اور جب خود فاضل ہو گیا تو ہندوستان چلا آیا اور سلطان علی عادلشاہ کے زمانہ مین اپنے چند شاگردون کو ساتھ لیکر بیجاپور آیا، اس باعث اس کی بادشاہ تک جلد شہرت ہو گئی، بادشاہ نے اسے اپنے ملازمین کے زمرہ مین شامل کر لیا، اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے اس نے بیجاپور کی وزارتِ عظمیٰ حاصل کر لی، یہ بڑا علم دوست شخص تھا اس کے دربار مین بڑے بڑے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے، خود اس کا استاذ ملا فتح اللہ شیرازی بھی اسی کے باعث دکن مین چلا آیا، اس کے علاوہ عزیز الدین، فضل اللہ یزدی، ملا اصفہانی، سید طالبی اور مرشد قلی جیسے مشاہیر علما اس کے خانوادے سے متوسل تھے، اس کے حالات دکن کی تمام تاریخون مین کثرت سے ملتے ہین،

رفیع الدین اسوقت مہتمم خزانہ تھا، کامل خان نے اس سے شاہی خزانہ سے جواہرات طلب کئے، جس پر یہ جواہرات کا صندوق لے کر کامل خان کے پاس گیا۔ اُس نے ان مین سے نہایت اچھے اچھے اور بیش قیمت جواہرات علٰحدہ کرلئے، اور اُنھیں دوسرے صندوق مین محفوظ کردیا۔ رفیع الدین نے اس وقت بڑی جرأت کرکے ان تمام کی ایک فرد تیار کرلی، رفیع الدین کی یہ حرکت کامل خان کو پسند نہین آئی، اور یہ ناخوش ہوگیا، اس کے بعد رفیع الدین اور کامل خان مین علانیہ طور پر مخالفت ہوگئی، رفیع الدین چونکہ افضل خان کا بھائی تھا۔ اس لئے کامل خان اس کو کسی قسم کا نقصان نہین پہنچاسکا،

اس سنہ مین کچھ ایسے سیاسی انقلابات پیش آئے، کہ کامل خان کو چاند بی بی نے کشور خان[۱] سے قتل کرادیا، اس خدمت پر پھر افضل خان شیرازی کو مامور کردیا۔ اب رفیع الدین کی کمان اور بلند ہوگئی۔ انھی دنون مین نظام شاہی بادشاہ اور بیجانگر کے راجاؤن نے متحد ہوکر عادل شاہ کے بعض علاقون کو تاراج کرنا شروع کیا۔ چاند بی بی نے افضل خان شیرازی کو سرلشکر مقرر کرکے اُن کے مقابلہ کو روانہ کیا، افضل خان نے ان کو ایسی سخت اور فاش شکستین دین، کہ مدت تک سر نہ اُٹھا سکے،

افضل خان چونکہ مدافعت کے لئے بھیجا گیا تھا، چاند بی بی نے عارضی طور سے اس خدمت پر کشور خان کا تقرر کردیا، کشور خان بھی بعض وجوہات کے باعث اس خدمت سے معزول کردیا گیا[۲] جس کے بعد یہ خدمت اخلاص خان حبشی[۳] کے تفویض ہوئی، اخلاص خان اور افضل خان مین

۱؎ بیجاپور کے امرائے عظام سے تھا، اس کا تذکرہ دکن کی سیاسی تاریخ مین [illegible] سے نظر آتا ہے، اُس نے بیجاپور مین بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے ہین، [illegible] مین مصطفٰے خان کے ایک جان نثار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ۲؎ یہ بھی بیجاپور کے امرائے کبار سے تھا، [illegible] مین دلاور خان نے قید کردیا، جسکے بعد اسکی آنکھین ضائع کردی گئین، [illegible] مین مرتضیٰ آباد مرچ مین بحالت قید انتقال کیا،

کسی بات پر رنجش ہوگئی تھی، دوسری وجہ اس مخاصمت کے بنا کی مورخین یہ بتاتے ہین کہ اخلاص خان کا خیال تھا کہ دربار سے غیرملکی امرا کا اثر توڑے اور سلطنت کو ان لوگون سے محفوظ کرے اس ارادے کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اس نے افضل خان شیرازی کو ایک بہانہ سے قید کردیا، رفیع الدین چونکہ اس کا بھائی تھا۔ اس لئے یہ بھی گرفتار کیا گیا، جب رفیع الدین قید کرکے جیل خانہ مین بھیجا گیا تو اسوقت افضل خان شیرازی بھی اسی محبس مین قید تھا۔ اس کا یہ عالم تھا کہ دونون ہاتھون مین ہتکڑیان پڑی ہوئی تھین، اور گلے مین طوق اور پاؤن مین بیڑیان ڈالی گئی تھین، رفیع الدین اس واقعہ کو اپنی تصنیف تذکرۃ الملوک مین بڑے اندوہ گین طریقہ سے بیان کرتا ہے،

ابراہیم زبیری نے بھی اس سانحہ کو بساتین السلاطین مین لکھا ہے:۔

"جب رفیع الدین جیل خانہ مین بری طرح ڈالا گیا تھا، اس کا بھائی بھی وہان موجود تھا، اسکی حالت اسوقت بہت نازک تھی، اور مٹی پر بٹھایا گیا تھا، رفیع الدین اس آفت آسمانی کو دیکھکر زار و قطار رونے لگا، اور کہنے لگا کہ گل در و دیوار جسکے آگے صف بستہ تھے، اور جسکا پیر زمین پر کبھی نہین پڑتا تھا، آج اس کا یہ عالم ہے"

رفیع الدین کے پہنچنے کے کوئی ایک ساعت بعد کئی آدمی جیل خانہ مین داخل ہوئے، اور افضل خان کو پکڑ کر باہر لے آئے، اور اُسی روز اسے عین بازار مین قتل کردیا، نعش دو روز تک بازار مین پڑی رہی تیسرے روز شاہ فتح اللہ شیرازی[۱] کے آدمیون نے اُسے اُٹھا کر دفن کردیا۔ اگرچہ رفیع الدین بھی اسی دن قتل کردیا جاتا، مگر بعض اُمرا نے بڑی سعی و کوشش کرکے اُسے بچا لیا، اور چند دن کے بعد قید

۱؎ فتح اللہ شیرازی اپنے زمانہ کے بڑے متبحر عالم تھے، جن کو عقل ہادی عشر بھی کہا کرتے ہین، افضل خان شیرازی کی سعی کے باعث شیراز سے بیجاپور مین آئے، اور افضل خان کے انتقال کے بعد دکن چھوڑ کر ۹۹۰ھ مین دہلی چلے گئے، اور اکبری ملازمین مین داخل ہوکر عضد الدولہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے، شوال ۹۹۷ھ مین اکبر کی معیت مین سری نگر کشمیر مین انتقال کیا، اکبر کو اس واقعہ کا بہت رنج ہوا۔ اور فیضی نے اس موقعہ پر ایک مرثیہ لکھا،

سے بھی رہا کردیا گیا، اور اس کی قدیم خدمت پھر بحال ہو گئی،

۹۹۰ھ کے اوایل مین دلاور خان اور اخلاص خان حبشی مین کچھ آویزش ہو گئی اور دلاور خان[1] نے بعض اُمرا کو اپنا شریک حال کر لیا۔ اور حمید خان بھی اسی کا ہمراز ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلاور خان اور اخلاص خان حبشی مین جنگ و جدال شروع ہو گیا، حمید خان[2] لڑائی جھگڑے کو نہایت مذموم تصور کرتا تھا۔ اس نے رفیع الدین شیرازی، حیدر خان، شیخ سالم اور مولانا دوست محمد خان کو اپنے سفیر بنا کر اخلاص خان حبشی کے پاس صلح کے لئے روانہ کیا، لیکن اخلاص خان نہایت تیز مزاج اور سخت آدمی تھا۔ اوس نے صلح نہیں کی، جس کے باعث رفیع الدین کو بے نیل مرام واپس ہونا پڑا،

[illegible]ھ مین سلطان ابراہیم عادلشاہ نے رفیع الدین کو اپنی جانب سے سفیر مقرر کر کے احمد نگر مین امن قائم کرنے کے لئے چاند بی بی کے پاس بھیجا۔ اوس زمانہ مین احمد نگر کے اُمرا نہایت سرکش اور باغی ہو گئے تھے، رفیع الدین پہلے شاہ درگ مین سہیل خان[3] کے پاس گیا، سہیل خان اور بادشاہ مین کچھ رنجش ہو گئی تھی، اس نے بادشاہ کی طرف سے سہیل خان کا دل صاف کر دیا، یہان سے احمد نگر گیا، احمد نگر کی حالت اس وقت نہایت خراب تھی۔ حتی الامکان اس نے قیام امن کی تدابیر اختیار کئے۔ امرا مین اور چاند بی بی مین دو تین دفعہ صلح بھی کرا دی۔ لیکن شورش پسند امرا، نے پھر لڑائی جھگڑے شروع کر دیے، رفیع الدین ان قضیون کی یکسوئی کے لئے تقریباً چودہ ماہ تک احمد نگر مین مقیم رہا۔ لیکن جب امن کی کوئی صورت نہ دیکھی تو مجبور ہو کر اُس نے یہان کی سارے حالات

---

[1] بیجاپور کے جلیل القدر امراء سے تھا۔ بڑا سپاہی اور صاف گو امیر تھا۔ بعد مین اس سے اور دلاور خان سے لڑائی ہو گئی،

[2] ابراہیم عادلشاہ کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے مغلون کے مقابلہ مین بڑی ناموری حاصل کی تھی۔ بادشاہ نے اسے اعتقاد الدولہ کا خطاب سرفراز کیا تھا، رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک مین لکھا ہے کہ اس کا دربار بادشاہی دربار سے کسی طرح کم نہین ہے، اس کے حالات بساتین کے مصنف نے بھی تفصیل کے ساتھ لکھے ہین،

ابراہیم عادل شاہ کے پاس لکھ بھیجے، جس پر بادشاہ نے اسے بیجاپور آنے کا حکم دیا، اس کے بعد ۱۰۰۱ھ کے وسط مین بیجاپور چلا آیا۔

اس کے قیام احمد نگر کے زمانہ مین چاند بی بی اسے دوسرے تیسرے روز برابر یاد کیا کرتی تھی۔ اور اس کے استقبال کے لئے نظام شاہیون کی جانب سے ایک سر بسر نوبت بھیجا جاتا تھا۔

رفیع الدین کے احمد نگر سے واپس ہونے کے بعد بادشاہ نے اس کے ساتھ خاص مراعات کین اور کچھ عرصہ کے لئے یہ بیجاپور کا حاکم بھی بنا دیا گیا اور سلطان نے اسے شہزادہ محمد عادلشاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۶۷ھ) کا اتالیق مقرر کیا، اُس نے ملک کی بہت سی اصلاحین کین، جنکا تذکرہ دکن کی تمام عمومی تاریخون مین ملتا ہے،

رفیع الدین شیرازی کی مشہور تصنیف تذکرۃ الملوک ہے، جو دکن مین خاص عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، رفیع الدین نے ۱۰۱۶ھ مین تذکرۃ الملوک کو لکھنا شروع کیا، اور ۱۰۲۰ھ مین چار سال کی قلیل مدت مین اختتام کو پہنچایا، یہ نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

بابِ اوّل، سلاطین بہمنیہ کے حالات اور اُن کے محاربات، اُس زمانہ کی سیاسیات پر تبصرہ، محمود گاوان کے سوانحات بہمنی خاندان کے چودہ بادشاہون کا تذکرہ، جن مین آخر کے چار بادشاہ (احمد شاہ رابع علاء الدین ولی اللہ کلیم اللہ) شامل نہین ہین۔

بابِ دوم، تذکرہ یوسف عادل شاہ اور اس کا سلسلۂ نسب،

بابِ سوم تذکرہ اسمٰعیل عادل شاہ،

بابِ چہارم۔ تذکرہ ابراہیم عادل شاہ اول، راجگان بیجانگر کی تاریخ اور اُن سے لڑائیان،

باب پنجم، علی عادل شاہ کی تاریخ جلوس اور ابتدائی معرکے، رام راج والی بیجانگر اور علی عادلشاہ کا حملہ احمد نگر (۹۶۶ھ تک)

باب ششم، شاہان گجرات کی تاریخ، اور شہنشاہ اکبر کی دکن کی فتوحات، نظام شاہی اور قطب شاہی بادشاہون کی تاریخ، چاندبی بی کی شادی، تالیکوٹہ کی لڑائی، فتح بنکاپور تک کے مسلسل واقعات ([illegible])

باب ہفتم، سلطان علی عادل شاہ کی وفات (۹۸۸ھ) اس کے بھائی افضل خان کی سرگذشت ([illegible]) علی عادل شاہ کے بعض اذکار،

باب ہشتم، سلطان ابراہیم عادل شاہ کے حالات، اس زمانہ کی سیاست پر تبصرہ، معرکہ آرائیان، اور رفیع الدین شیرازی کی سہیل خان کے پاس شاہ درگ کو روانگی، چاندبی بی کی طلبی پر احمد نگر کی جانب کوچ،

باب نہم، سلاطین مغلیہ کے حالات شہنشاہ بابر (۹۳۲ھ - ۹۳۷ھ) سے نورالدین جہانگیر کے جلوس تک (۱۰۱۴ھ) سلاطین صفویہ کی تاریخ شاہ عباس صفوی کے حالات، دکن سے صفویون کی راہ و رسم (۱۰۱۰ھ) تک، ملک عنبر حبشی (وفات ۱۰۳۵ھ) راجو دکنی کے تذکرے، ایلورے کے غار، دکن پر شاہزادہ پرویز بن جہانگیر کی تاخت و تاز یعنی حملۂ اسیر گڈھ،

تذکرۃ الملوک سلاطین بیجاپور کی نہایت مبسوط اور مستند تاریخ ہے، اور فرشتہ کی تاریخ پر بھی اہمیت رکھتی ہے، اس کا مصنف جس قدر بار سوخ واقع ہوا تھا۔ فرشتہ کو بیجاپور مین وہ درجہ حاصل نہین تھا، بلکہ یہ خود اسی کے خانوادے کا خوشہ چین تھا۔ فرشتہ ابتداءً احمد نگر مین رہا کرتا تھا۔ ۹۹۸ھ مین یعنی سلطان علی عادلشاہ کی وفات کے دس سال بعد بیجاپور مین آیا، اور سلطان ابراہیم عادل شاہ کے حکم سے تاریخ لکھنا شروع کی اور ۱۰۱۵ھ مین ختم کیا، برخلاف اس کے

رفیع الدین شیرازی بیجاپور مین ۹۶۰ھ سے مقیم تھا، اس نے علی عادل شاہ کو بھی دیکھا تھا، اور اس کی برسون ملازمت کی تھی اس بنیاد پر جیسا کہ یہان کے حالات سے یہ باخبر تھا کوئی اور دوسرا مورخ ایسا واقف نہین تھا، فرشتہ بیجاپور مین آنے کے تقریباً دس پندرہ سال بعد تاریخ فرشتہ کو ترتیب دینا شروع کیا، برخلاف اس کے رفیع الدین نے پچاس سال کے تجربات کے بعد اپنی کتاب کی بنیاد رکھی، فرشتہ نے عادلشاہیون کے کوائف کے لئے صرف چند صفحات وقف کئے ہین، لیکن رفیع الدین نے پوری کتاب انھی بادشاہون کے حالات مین لکھی ہے،

شاہان بیجاپور کے متعلق جسقدر مفید معلومات تذکرۃ الملوک سے اخذ ہو سکتی ہین، وہ کسی اور تاریخ سے میسر نہین آسکتین،

تذکرۃ الملوک کے تصنیف ہونے کے بعد جس قدر مصنفین نے بیجاپور پر لکھا ہے، ان سبھون نے قریب قریب تذکرۃ الملوک سے فائدہ اٹھایا ہے،

۱۲۴۰ھ مین محمد ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین کے نام سے بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے، اس کا سب سے بڑا ماخذ تذکرۃ الملوک ہے اور بعض جگہ اس سے اصل عبارتین بھی نقل کر لی ہین، یہ کتاب انگریزون کے بیجاپور پر تسلط پانے تک کے حالات پر مشتمل ہے،

ملا ظہور بن ملا ظہوری نے محمد نامہ مین رفیع الدین کو درباری مورخ لکھا ہے،

میجر کنگ (M. KING) نے برہان المآثر سے صرف سلاطین بہمنیہ کے حالات ترجمہ کئے تھے، اس مین ضمناً تذکرۃ الملوک کے مختلف اجزا جو بہمنیون سے تعلق رکھتے ہین شامل کر دئے ہین، یہ مضمون انڈین انٹی کویری مین شائع ہوا تھا، اسکے بعد لوزک کمپنی لندن نے اسے بصورت کتاب [illegible] مین شائع کیا ہے،

تذکرۃ الملوک کا ایک نہایت نفیس اور خوشخط نسخہ ہمارے یہان موجود ہے جس کو ہم عنقریب شائع کرنے والے ہین، اور اس کا بہت بڑا حصہ چھپ چکا ہے،

روضۂ تاج محل کی تعمیر

اور

اُس کے طراح و معمار

از مولوی عبد اللہ صاحب چغتائی، لکچرر اسلامیہ کالج لاہور،

مولوی عبد اللہ صاحب نے گذشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی کی مجلس تاریخ کے دہ سالہ جشن مین اس موضوع پر ایک مضمون پڑھا تھا، جس کا اختصار ہدیۂ ناظرین ہے، مولوی صاحب عنقریب اس مضمون کو ایک مستقل کتاب کی صورت مین مع تصاویر شائع کرین گے۔

"معارف"

ارجمند بانو بیگم جو ممتاز محل کے لقب سے مشہور ہے آصف خان یمین الدولہ بن مرزا غیاث بیگ طہرانی کی لڑکی تھی، سنہ ۱۰۰۳ھ مطابق سنہ ۱۵۹۴ء مین پیدا ہوئی، اور ۱۹½ سال کی عمر مین سنہ ۱۰۲۱ھ مین شاہ جہان کے ساتھ جب کہ شاہ جہان کی عمر تقریباً ۲۱ سال کی تھی اسکی شادی ہوئی، اس کے بطن سے کل ۱۴ اولادین پیدا ہوئین جنمین سے آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیان تھین، اورنگ زیب عالمگیر اسکی بطن سے تھا، اس نے برہانپور مین ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۰۴۰ھ مطابق ۵ مئی سنہ ۱۶۳۱ء کو انتقال کیا، بیدل خان نے نہایت عمدہ تاریخ وفات کہی "جائے ممتاز محل جنت باد" ملا عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے کہ بادشاہ پر اس حادثۂ جانکاہ کا اسقدر اثر پڑا کہ تھوڑے ہی دنون کے بعد فرط غم سے تمام بال سفید ہو گئے، اور ملا محمد صالح کمبوہ اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد ہر سال جب ذیقعدہ کا مہینہ آتا تو بارگاہ شاہجہان مین تعزیت کا سامان ہوتا بادشاہ سفید پوش اور تمام امرا ماتمی لباس مین ملبوس

ہوتے، سچ ہے،

غم بادشاہان غم کشور یست

اول اول اسکی لاش کو برہانپور ہی کے باغ زین آباد مین امانۃً دفن کیا گیا، لیکن بعد مین ۱۷ جمادی الاولی سنہ ۱۰۴۱ھ مین اُس کو اکبر آباد مین منتقل کر لیا گیا اور ۱۵ جمادی الثانی سنہ ۱۰۴۱ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۶۳۱ء کو ۶ ماہ تک اُس کو صحن باغ مین امانۃً سپرد خاک کیا اس کے بعد وہ اصل مقبرہ مین جو اب تاج محل کے نام سے مشہور ہے دفن کیگئی،

بادشاہ نے اُس قطعۂ زمین کو جہان اس وقت مقبرہ نظر آتا ہے، راجہ جے سنگھ نبیرۂ راجہ مان سنگھ سے حاصل کیا اور اس کے عوض اُس کو ایک دوسرا وسیع قطعۂ زمین عنایت کیا، بظاہر اس مقام کے انتخاب کے دو سبب معلوم ہوتے ہین، ایک تو یہ کہ وہ دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے، دوسرے یہان سے قلعہ کا منظر اور قلعہ سے یہان کا منظر نہایت واضح طور پر نظر آتا ہے،

روضۂ ممتاز محل کی تعمیر سنہ ۱۰۴۱ھ مین شروع ہوئی اور سنہ ۱۰۵۳ھ مین پورے بارہ سال مین تکمیل کو پہنچی، تکمیل کے بعد بادشاہ خود امرا و مقربین دربار کے ساتھ اس کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور جیسا کہ بادشاہ نامہ و عمل صالح مین مذکور ہے غربا و مساکین کو خیرات کثیرہ سے بیگم کی یاد مین مالامال کر دیا، اس روضہ کے متعلق ایک مصور کا خیال ہے کہ "شاہجہان کی آنکھون مین بیگم کی وفات سے جو آنسو بھر آئے اُن مین سے ایک قطرہ منجمد ہو کر سنگ مرمر کے روضہ مین تبدیل ہو گیا" یہ تو ایک شاعرانہ خیال ہے، لیکن درحقیقت یہ روضہ دنیا کی عمارتون مین بے مثل تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی بنا پر فرانسیسی، اطالوی، ارمنی، پرتگالی وغیرہ سب اسکی تعمیر کا فخر حاصل کرنا چاہتے ہین، اور اُنھون نے اپنی پوری طاقت یہ ثابت کرنے کے لیے صرف کر دی ہے کہ یہ روضہ ادنہی کے ملک کے صناعون کا بنایا ہوا ہے، لیکن یہ دعوے بالکل بے بنیاد ہے، اور ہم اسکی تردید نہایت تفصیل کے ساتھ کرنا چاہتے ہین،

شاہجہان بحیثیت ماہرِ فنِ تعمیر،

حسنِ تعمیر کا سب سے بڑا دلدادہ نورالدین جہانگیر شاہ تھا، اس لیے اُس کے لڑکے شہزادہ خرم میں جو بعد کو شاہ جہان کے لقب سے مشہور ہوا ابتدا ہی سے فنِ تعمیر کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ شالامار باغ کشمیر کی تعمیر کا اہتمام جہانگیر نے جیسا کہ تزکِ جہانگیری اور عمل صالح دونوں میں ہے شاہ جہان کے سپرد کر دیا تھا، خوش قسمتی سے تاج کی تعمیر سے پہلے دو روضے جو اس سلسلے میں اہمیت رکھتے ہین، تعمیر ہو چکے تھے، یعنی دہلی میں مقبرۂ ہمایون اور لاہور میں مقبرۂ جہانگیر، اول الذکر تو بغیر میناروں کے تعمیر ہوا ہے جس کے درمیان میں نصف کروی شکل کا ایک گنبد ہے جس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ تاج اسی کے نمونہ پر تیار ہوا اور دوسرا جہانگیر کا مقبرہ جس میں درمیانی گنبد تو نہیں ہے مگر چاروں کونوں پر مینار موجود ہیں، ہمعصر مورخین کا بیان ہے کہ سنہ ۱۰۴۱ھ مطابق سنہ ۱۶۳۱ء میں جب تعمیر روضہ کا انتظام شروع ہوا تو اس وقت ممتاز بیگم کا باپ باوجود ناسازیٔ صحت کے شاہ جہان کے ہمرکاب تھا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ماہرینِ فن سے مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد ایک لکڑی کا نمونہ بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا جو بعد میں منظور ہوا اور اسی نمونے پر روضہ کی تعمیر ہوئی،

تاج کے معمار

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روضہ کی بنیاد کس نے ڈالی؟ معاصر مورخین شاہجہان ملا عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کمبوہ دو شخصوں کے نام بتاتے ہیں، ایک میر عبدالکریم اور دوسرے ملا مرشد شیرازی جو جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آیا اور جسے مکرمت خان کا لقب دیا گیا اور اسی کے زیرِ اہتمام تاج تعمیر ہوا ایک اور تیسرا نام امانت خان شیرازی طغرا نویس کا بھی ملتا ہے، چنانچہ تاج کے اندر یہ کتبہ کندہ ہے "فقیر الحقیر امانت خان شیرازی فی سنہ ۱۰۴۸ھ ہزار چہل و ہشت ہجری ۱۲

دوازدہم جلوس مبارک،

مسٹر ڈبلیو ناٹن ہافنیڈ نے، ۲۰ رمئی سنہ ۱۹۲۳ء کے اسٹیٹسمین میں "تاج کے طراحین اور عام مغالطے" کی سرخی سے ایک طویل مضمون سپردِ قلم کیا تھا، جس میں وہ چند معماروں کے نام اور بتاتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ تاج کی بنیاد ایک ایرانی محمد عیسیٰ آفندی نے ڈالی جس کے ساتھ امانت خان شیرازی، محمد حنیف بغدادی اور مکرمت خان (مخلص خان) ایرانی شریک تھے، سنگِ بنیاد سے لیکر چوٹی تک تاج بالکل اسلامی طرز رکھتا ہے اور اس میں وینیسی یا فلورنساوی طرز کا شائبہ نہیں ہے"

تاج کے علاوہ شاہ جہانی عہد میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، وہ بھی ان ہی بعض کے زیرِ اہتمام تعمیر ہوئیں، چنانچہ قلعۂ لاہور کا دروازہ جو عہدِ شاہجہان میں سنہ ۱۰۴۱ھ میں از سرِ نو تعمیر ہوا، اسکی پیشانی پر ایک بہت بڑا کتبہ اشعار میں ہے، اور اس کے آخر میں باہتمام میر عبدالکریم لکھا ہے،

بندہ یکدل مریدِ معتقد عبدالکریم،

بعد اتمام عمارت یافت این تاریخ سال

دائما چون دولت این بادشاہ جم سپاہ

این ہمایون برج عالی باد از آفت زوال

سنہ ۱۰۴۱ جلوس

اور شاہ جہان آباد دہلی کا قلعہ مکرمت خان کے اہتمام سے تعمیر ہوا جس کی عام تاریخی کتابوں سے تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ خافی خان اپنی تاریخ منتخب اللباب جلد ۱ ص ۶۲۱ میں لکھتا ہے کہ "علی مردان خان نے پشاور میں ایک مسقف بازار اصفہان کی طرز پر تعمیر کیا اور اس کے کونوں پر مثمن برج بنوائے، اس کا مطرح اُس نے مکرمت خان شیرازی کے پاس دہلی روانہ کیا جبکہ قلعہ دہلی اس کے زیرِ اہتمام تعمیر کیا جا رہا تھا،

ان تمام معماروں کے علاوہ شاہجہان اور ممتاز بیگم کے والد یمین الدولہ کا ذوقِ تعمیر اس پر مستزاد

تھا، چنانچہ سال ہفتم سلطنت کے کشمیر جاتے ہوے جب شاہ جہان لاہور سے گذرا ہے اور دار السلطنت لاہور کے قلعہ مین بعض تبدیلیون کی خواہش کی ہے تو محمد صالح کنبوہ نے اس کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:۔

"پس از پرداخت این معانی بمرمت اندیشی عمارات دولت خانہ دار السلطنت کہ از دیر باز کسے بدان نپرداختہ بود توجہ تمام مبذول داشتند، بنابر آنکہ عمارات غسل خانہ و خوابگاہ در اصل باعتبار طرح و وضع دل پسند و خاطر خواہ آنحضرت نبود معماران ہندسہ پرداز حسب الامر اعلی بتازگی طرحہائے نغز بطرز غریب رقم نمودہ از نظر مشکل پسند گذرانیدند، ورنگ ریختن و بنا نہادن باتمام رسانیدن طرحی کہ ازان جملہ مختار افتادہ بود باہتمام وزیر خان و سائر متصدیان لاہور باز گذاشتند، طرح عمارات شاہ برج کہ در عہد حضرت جنت مکانی طرح افگندہ اساسی آنرا از رنگ طرحہائے تازہ کہ بخاطر اقدس رسیدہ بود ریختند، و شرح کمیت و کیفیت آنرا یمین الدولہ کہ در باب طراحہائے و تصرفات دریں بیدا طولی دارد حسب الامر اعلی از دستخط خود بر ہمان طومار مطرح ثبت کردہ بمہندسان سپردکہ عمل آن دستور المکمل را دستور العمل سازند"

اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونون فنِ تعمیر کے کس قدر ماہر تھے اور ایرانی طرز پر کام کرنے والے کس قدر ماہر فن معمار دربار مین موجود تھے، ان تاریخی روایات کے علاوہ تاج مین بعض ایسی اندرونی خصوصیات موجود ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خالص اسلامی طرز کی عمارت ہے، اور اُس کو مسلمان معمارون نے تعمیر کیا ہے، مثلاً

گنبد

جس کی نسبت میرا خیال ہے کہ مشکل سے کوئی شخص مجھ سے اس بات مین اختلاف کریگا، کہ "تاج محل" غالباً ہندوستان مین پہلی عمارت ہے جس مین مسلمانون نے دوہرا بلب نما تاتاری گنبد بنایا، اگرچہ تاریخ اس بات کو بالکل واضح نہین کرتی کہ "تاج" واقعی علی مردان خان کا طرح کردہ تھا، مگر یہ بات قابل غور ہے

کہ تاج کی عمارت اُن اسلامی عمارات سے بالکل مشابہت اور مطابقت رکھتی ہے جو کہ شیراز اور سمرقند مین اس وقت تعمیر کی گئی تھین، ایران مین ہم بے شمار ایسی عمارات دیکھتے ہین جو تاج سے مشابہ ہین اور جنھین خالصتًا ایرانی مسلمانون نے تعمیر کیا، غالبًا انھین روایات کے تحت مین تاج مین گنبد خصوصیت سے نمایان کیا گیا، اور اسی گنبد پر تمام عمارات کا انحصار ہے جیسا کہ بغداد کی جامع مسجد مین جو کہ ابو جعفر المنصور عباسی کی بنا کردہ ہے اور جس کی تعمیر کہا جاتا ہے کہ بعد مین ہوئی وہی بلب نما گنبد نظر آتا ہے،

مگر اس قسم کا سب سے بڑا نمونہ جو شاہجہان کے سامنے تھا وہ ان کے اپنے ابو الآبا تیمور کا مقبرہ تھا جو ۱۴۰۵ء مین سمرقند مین تعمیر ہوا تھا، اس مقبرہ کے گنبد کی اندرونی بناوٹ اور ساخت بالکل تاج کے گنبد سے ملتی جلتی ہے، اس کے علاوہ ترکستان مین تیمور کی مسجد اس کے روضہ کی تعمیر سے ایکسال پہلے تیار ہوئی وہ بھی تاج کے مشابہ ایک گنبد لیے ہوئے ہے، تیمور کے روضہ کے معمار اعلی کا نام محمد بن محمود اصفہانی اور اس کی مسجد کے معمار کا نام خواجہ حسین شیرازی تھا، غرضکہ ہمارا خیال کہ ان ایرانی عمارات کو خالص ایرانی مسلمانون نے تعمیر کیا ہے اس اندرونی شہادت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے،

ہمین اس "تاج" کے گنبد کا بلب نما نمونہ دوہری حالت مین سوائے دمشق اور ایران کے اور کہین نہین ملتا جو کہ اس تاج سے پہلے تعمیر کیے گئے،

نظریہ پرچین کاری

غرضکہ ان تمام شہادتون سے ثابت ہوتا ہے کہ تاج کی تعمیر مین کسی یورپین معمار کو دخل نہین ہے، لیکن تاج مین پرچین کاری کا جو کام پایا جاتا ہے اسکی بنا پر بعض یورپین مورخین کا خیال ہے کہ یہ صنعت اطالوی معمارون کا کارنامہ ہے، چنانچہ مسٹر فرگسن اپنی تاریخ مین صفحہ $\frac{۳۰۶}{۲}$ پر تحریر کرتے ہین،

"ابتدائے ۱۷ صدی عیسوی مین اطالوی حسن کار خصوصیت سے فلورنس سے ہندوستان مین لائے گئے اور یہ کہا جاتا ہے کہ انھون نے ہندوستانیون کو سنگ مرمر مین کھود کر پرچین کاری کرنا اور اس مین قیمتی

پتھر بھرنا سکھایا"۔

لیکن مسٹر برجیس اس کی تردید مین لکھتا ہے:-

"اگرچہ ہندوستان مین مغلیہ خاندان کے دو آخری بادشاہون کے زمانہ مین اطالوی حسن کار خدمت مین تھے مگر کوئی خاص شہادت نہین کہ وہ کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے، جبکہ حسن کاران شیراز، بغداد، سمرقند اور قنوج جو اپنے فن مین بہت ماہر اور کامل تھے دوران تعمیر "تاج" مین موجود تھے، بہت ممکن ہے کہ تاج محل کی علی مردان خان نے طرح ڈالی ہو[1]"۔

اس اطالوی نظریہ کی تردید مین سرجارج برڈوڈ اپنی کتاب انڈین آرٹس مین لکھتے ہین:-

"تاج کی پرچین کاری ہرگز فلورنس کی طرز کی نہین ہے، بلکہ ہندوستانی مغل زمانہ کی پسندیدگی کے مطابق ہے، شاہجہان شہنشاہ ہند کے علاوہ کسی دوسرے غیر ملکی حسن کار کے علم اور ذوق کا ہرگز ہرگز نتیجہ نہین ہے"۔

اس کی تائید مین سرجان مارشل اپنی رپورٹ ۱۹۰۵-۱۹۰۴ء مین مانڈو کے بیان مین لکھتے ہین:-

"پرچین کاری معمولی حالت مین بہ نسبت اس کے جو آجتک معلوم ہوئی ہے روضہ خلجی پر مانڈو وسط ہند مین ملی ہے، اس کو اطالوی فن قرار دینا ٹھیک نہین ہے کیونکہ محمود خلجی جس کی یاد مین یہ روضہ بنایا گیا ۱۴۷۵ء مین فوت ہوا تھا"۔

ان اقتباسات سے پرچین کاری کا غیر اطالوی ہونا ثابت ہو گیا، ان تین ماہرین اثریات ہند نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بسلسلۂ ملازمت ہندوستان مین گذارا ہے، ان سب کی تحقیقات کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پرچین کاری مین ہرگز ہرگز کسی یورپین یا غیر ملکی ماہر فن نے حصہ نہین لیا، اور نہ کوئی غیر ملکی ماہر فن اس وقت یہان موجود تھا، بلکہ آگرہ ہی مین ممتاز محل کے جد امجد اعتماد الدولہ کا جو روضہ ہے اس پر جو پرچین کاری

[1] یہ اگرچہ درست ہے کہ علی مردان خان بہت بڑا مہندس وقت تھا مگر اس کا تاج کے نقشہ سے کوئی تعلق نہین ہے کیونکہ یہ ہندوستان مین ۱۶۳۸ء مین آیا جبکہ تاج کی عمارت کو شروع ہوئے ۸ سال ہو چکے تھے،

کا کام ہے وہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ہندوستان کے لوگ روضہ تاج محل کی تعمیر سے پہلے ہی اس فن کے بہت بڑے ماہر تھے،

مسٹر ڈبلو ناٹن ہافسٹیڈ نے ۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۳ء کے اسٹیٹسمین (STATESMAN) مین "تاج" کے طراحین اور عام مغالطے" کی سرخی سے ایک طویل مضمون سپرد قلم کیا تھا، اس مین وہ کہتے ہین:-

"پرتگالی پیشوایان مذہب سباسٹین مینرق اور جوزف ڈی کاسٹرو کی سند سے ہمین باور کرایا جاتا ہے کہ آگرہ کے "تاج" کی طرح ایک اطالوی جیرونیمو ویرو نیو نے ڈالی اور پرچین کاری (PIETRADURA) کی آرائش فرانسیسی آگسٹیاں ڈی بورڈو کی نگرانی مین کرائی گئی، میرا اپنا یہی عقیدہ تھا، مین نے اپنے دوران قیام آگرہ مین اس کا بغور مطالعہ کیا،

غالباً یہ فرانسیسی وہی ہے جسے شاہجہان نے وجیانگر کے تخت کے نمونہ کا تخت طاؤسی بنانے کے لیے مقرر کیا تھا، مگر کوئی شہادت قابل اطمینان دستیاب نہین ہوتی کہ اس نے "تاج" کی طرح ڈالی یا اس کے دوران تعمیر مین نگرانی کا کام سرانجام دیا، یہ فن تعمیر ایرانی دبستان سے تعلق رکھتا ہے، اگر یہ کام اس فرانسیسی سے سرانجام ہوا ہوتا تو اس کے ہم وطن برنیر، تیوفو، ٹیوریز وغیرہ اپنی کتابون مین ضرور اس کا تذکرہ کرتے، اور بالخصوص مؤخر الذکر جس نے اپنے عہد کا مفصل حال لکھا ہے، اس مین کوئی شک نہین کہ اطالوی شخص بسلسلۂ ملازمت مغلیہ خاندان کے زمانہ مین یہان موجود تھا، اور اسی نے ۱۶۴۰ء مین انتقال کیا اور پرانے قبرستان مین آگرہ مین دفن کیا گیا، جہان اب بھی اس کی قبر موجود ہے، "تاج" کی طرح ایک ایرانی محمد عیسیٰ آفندی نے ڈالی جس کے ساتھ امانت خان شیرازی محمد حنیف بغدادی اور مہندس خان (مخلص خان) ایرانی شریک تھے، سنگ بنیاد سے لیکر چوٹی تک "تاج" بالکل اسلامی طرح رکھتا ہے اور اس مین وینسی یا فلورنساوی طرز کا شائبہ بھی نہین ہے،

مسٹر فنیشم آنجہانی نے کچھ دنون قبل مجھے آگرہ سے لکھا تھا:-

"مین آپ کے ساتھ اس خیال مین متفق ہون کہ "تاج" کی طرح اندازی یا تعمیر کے ساتھ ایک اطالوی یا فرانسیسی کے نام کی وابستگی بالکل بے بنیاد دلایل پر مبنی ہے، اس کے دونون پہلوؤن کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، مگر میرے ہان ایسا مواد ہے جو اس نظریہ کا جواب پیش کرنا چاہتا ہے، میری بھی وہی رائے ہے جو آپ کی ہے، دونون غیر ملکی نامون کو "تاج" کی طرح اندازی سے کسی زمانہ مین بھی کچھ تعلق نہین رہا، اور یہ کہ اس کا طرّاح اور معمار استاد عیسیٰ ہی ہے جیسا کہ آگرہ مین مشہور ہے، "تاج" کا خاکہ بالکل اسلامی یا مشرقی ہے"

حال ہی مین اطلاع ملی ہے کہ ترکی کے فاضل محمد ثریا نے ایک کتاب سجل عثمانی کے نام سے شائع کی ہے، اس مین محمد عیسیٰ کی مکمل سوانح عمری لکھی ہے، افسوس ہے کہ وہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی،

ہمعصر یورپین سیاحون کی رائے

شاہجہان کے عہد مین تین سیاح کے اسما ملتے ہین، اور ان مین سے دو کے سفرنامہ مطبوعہ بھی ملتے ہین، لیکن اُن مین ہمین جیسا کہ متذکرہ بالا بیانات مین دیگر یورپین نقادانِ فن نے بھی ہماری تائید کی ہے، کسی یورپین صاحب فن کا "تاج" کی تعمیر کے سلسلہ مین نام نہین ملتا۔ بلکہ خود اُن سیاحون کی مندرجہ ذیل رایون سے جو کچھ واضح ہوتا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے،

(۱) موسیو تھیونو (THE NENOT) "یہ عجیب و غریب عمارت اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ہندوستان کے باشندے فنِ تعمیر سے نابلد نہیں ہین، اگرچہ طرزِ تعمیر یورپ کے لئے اجنبی ہے، یہ اعلیٰ مذاق ہے اور یونانی یا دوسرے قدیم فن سے متمیز ہے، دیکھنے والا بھی کہہ سکتا ہے، کہ یہ بہت ہی نفیس نمونۂ تعمیر ہے،"

برنیر و ٹیورنیر (BERNIER & TAVERNIER) "سب سے اخیر دفعہ مین نے اس کو جا کر دیکھا تو میرے ساتھ ایک فرانسیسی سوداگر بھی تھا: اور میری طرح اس کی بھی یہی رائے تھی کہ یہ ایک ایسی

عمارت ہے کہ جس کی کامل طور پر تعریف نہین ہو سکتی، مگر مین کچھ نہین کہتا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ شاید ہندوستان مین مدت سے رہنے کے سبب میرا مذاق بگڑ گیا ہو، لیکن میرا رفیق جو نو وارد تھا اس نے یہ کہا کہ تمام فرنگستان مین ایسا حیرت افزا اور عزم و شان کا مکان مین نے کوئی نہین دیکھا"،

وہ موسیو دی لاماتھی لے وارے وزیر فرانس کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ "یہ عمارت ایک خاص اور نرالی ہی وضع رکھتی ہے لیکن تاہم دلچسپی سے خالی نہین۔ اور میری رائے مین بالضرور اس قابل ہے کہ ہماری فنِ تعمیر کی کتابون مین جگہ پائے، اور اس کا تصفیہ مین آپ پر چھوڑتا ہون، لیکن مین جو یہ کہہ رہا ہون کہ یہ مقبرہ ایک حیرت افزا عمارت ہے کیا یہ سچ نہین ہے، مین یقینی طور پر یہ کہتا ہون کہ یہ مکان اہرام مصر کی بہ نسبت جو اُن گھڑ پتھرون کے ڈھیر ہین، اور باہر کی طرف سے بجز اس کے کہ زینہ کی طرح نیچے اوپر رکھکر پتھرون کا ڈھیر لگا دیا گیا ہے کچھ نہین ہے، اور جن کی اندرونی ساخت بھی بالکل معمولی ہے، جس سے انسان کی کچھ ہنرمندی اور ایجاد ثابت ہو، دنیا کے عجائبات مین شمار کئے جانے کا زیادہ تر مستحق ہے،"

نتیجہ

متذکرۂ بالا بیانات سے مین نے دو امور پر زور دیا ہے، یعنی نہ تو کسی یورپین کا "تعمیر تاج" مین دخل ہے، اور نہ اس مین غیر اسلامی عنصر شامل ہے، یہ نتیجہ مختصر اً وجوہات ذیل پر مبنی ہے:-

(۱) شاہجہان بذات خود بہت بڑا ماہرِ فنِ تعمیر تھا،

(۲) یہ روضہ میر عبدالکریم اور مکرمت خان شیرازی وغیرہ کے زیر اہتمام تعمیر ہوا، جو ماہر فن تھے،

(۳) علی مردان خان اور آصف خان جن کو قرب شاہجہانی حاصل تھا بہت بڑے طرّاحانِ فن تھے،

(۴) ان سب ماہرین کے کارنامے ہندوستان مین ملتے ہین، جو بالکل طرزِ فن مین متمیز

اسلامی ایرانی ہین،

(۵) مین نے دیگر محققین کی آرا کو بھی آپکے سامنے پیش کر دیا ہے جو بالکل متفق ہین کہ کسی یورپین کا وجود دوران تعمیر تاج مین یہان نہین تھا،

(۶) مین نے داخلی اور خارجی دلائل سے بھی بحث کردی ہے،

(۷) سب سے بڑھ کر طرز تعمیر کا تقابل بھی پیش کر دیا ہے،

غرضیکہ ان سب اُمور کو مد نظر رکھ کر میرا خیال ہے کہ "تاج" ایک مسلمان کا طرح شدہ ہے، جس کے دل مین سوز تھا اور مرنے والی بیگم کی محبت تھی، اور اسی کو سزاوار تھا کہ وہ مرحومہ کے روضہ کی طرح ڈالتا،

"گنجینۂ تحقیق"

از مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

(۳)

پانچوین صورت اخذ و استفادہ کی یہ ہے کہ متقدم کے ایک خیال کی مدد سے کوئی دوسرا جداگانہ خیال اُس سے مغائر یا متضاد یا مماثل پیدا کیا جائے، مثلاً غالب کا شعر یہ ہے:-

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون
ہراک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدھر کو مین

اس شعر کو پیش نظر رکھکر حضرت فانی نے ایک دوسرا لطیف تر اور بالکل مغائر خیال پیدا کیا ہے،

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھون نہ خضر سے بھی کہ جاؤن کدھر کو مین

مثلاً حسب ذیل اشعار:-

امرء القیس
مکر مفر مقبل مدبر معاً
کجلمود صخر حطہ السیل من عل

سہیل
اگر چلنا تو نقش پا بھی لغزش سے مٹا دینا
نہین زیبا کسی کو کوے جانان کا پتا دینا

(عرفی) طفلیان نازبین کہ بگر گوشۂ خلیل خود زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

اے سوزِ ناتمام کہاں جائے اب خلیل

(سہیل) آتشکدہ کو بھی تو گلستان بنا دیا

یہ بات ہر کس و ناکس کے بس کی نہین ہے، بلکہ صرف چند باکمالون کے لیے مخصوص ہے اور وہ بھی مدت کی مشق و ممارست کے بعد حاصل ہوتی ہے، غالب کے ہان اسکی مثالین بکثرت ہین اور یہی غالب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

مثلاً عشاقِ ہوس پیشہ کا خیال ہے کہ برسات کی کالی کالی راتین بے مے و معشوق بسر کرنا قیامت ہے، غالب بھی برسات کی اندھیری راتین گذارنا دشوار سمجھتا ہے، مگر اسکی وجہ اور بتاتا ہے :- ؎

کس طرح کاٹے کوئی شب ہاے تار برشگال ہے نظر خو کردہ اختر شماری ہائے ہائے

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ پہلا مصرعہ سنکر سامع کے ذہن مین وہی قدیم خیال پیدا ہوتا ہے، لیکن جب دوسرے مصرعہ مین غیر متوقع طور پر ایک نئی اور اچھوتی بات معلوم ہوتی ہے تو روح کو غیر معمولی سرور حاصل ہوتا ہے، یہی اندازِ بلاغت ہے جو حسب ذیل اشعار مین ملحوظ رکھا گیا ہے،

عشق اگر غم داد و جان و دل ستد عیبش مکن

(عرفی) بیع اول بود و آشوبِ خریداری نبود

پہلے مصرعہ سے جو خیال ذہن مین قایم ہوتا ہے وہ یہ کہ عشق کو اس گران فروشی کے لیے الزام نہ دینا چاہیئے، مگر دوسرا مصرعہ اس سے بالکل مخالف خیال یعنی الزامِ ارزان فروشی کی توجیہ کرتا ہے، بعض جگہ ذو معنیین استفہام سے بلاغت پیدا کیجاتی ہے مثلاً بابا فغانی فرماتے ہین،

ای کہ می گوئی چرا جامے بجانے می خری این سخن باساقیِ ما گو کہ ارزان کردہ است

(علامہ شبلی) یار می پرسید شبلی را کہ چون برباد رفت مشتِ خاکے در ہوایش پریشان کردہ ام

چون کے معنی (کس وجہ سے) اور (کس طرح سے) دونون ہوتے ہین، یہان محبوب تجاہلِ عارفانہ کے

انداز مین عاشق کی بربادی کا سبب پوچھتا ہے اور سامع چونکہ سببِ بربادی کو بدیہی سمجھتا ہے اس لیے استفہام کے دوسرے معنی مین جواب دیتا ہے، اور بربادیِ عاشق کی تصویر کھینچکر رکھدیتا ہے.

تمام عشاق کو کوچۂ یار مین دفن ہونا چاہیئے کسی قدیم شاعر کا شعر ہے :- ؎

دفن کرنا مجھکو کوئے یار مین قبرِ بلبل کی بنے گلزار مین

مگر غالب نکتہ سنج جو دیائے عام مین مرنا بھی نہین چاہتا تھا، اس پامال خیال سے اپنی ایک الگ شاہراہ نکالتا ہے

اپنی گلی مین دفن نہ کر مجھ کو بعدِ قتل

میرے پتہ سے غیر کو کیون تیرا گھر ملے

یہان ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے، کہ معشوق کے حسن سے زیادہ شہیدِ محبت کا واقعۂ شہادت اہمیت اختیار کرلیگا، اور کوچۂ یار مشہدِ عاشق کی حیثیت سے شہرت پذیر ہوگا نہ بہ حیثیت مسکنِ محبوب،

اتناب کہتے ہین کہ غمِ عشق مین انسان کو ہنسی نہین آتی مگر غالب ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ مین وہ ازلی غم نصیب ہون کہ عشق سے پیشتر بھی جو ہنسی آتی تھی وہ حقیقۃً ہنسی نہ تھی زہر خند تھی اور دل کی وارفتگی کا ماتم،

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہین آتی،

حضرت خواجہ شیراز معشوق کی ایک خال سیاہ پر سمرقند و بخارا نثار کردیتے ہین، مگر غالب نکتہ شناس جانتا ہے کہ عاشقِ بے سروسامان کے ذہن مین سمرقند و بخارا کا خیال آنا اصولِ نفسیات کے خلاف ہے، بڑے سے بڑا اہتمام جس کی غالب کو حسرت ہی رہگئی یہ تھا کہ محبوب کی تشریف آوری کے وقت کہین سے ایک بوریا مہیا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

دوسرے شعرا بھلا کب گوارا کرتے کہ محبوب کو کوچۂ رقیب کا راستہ بتائین مگر حضرت غالب یہ بھی کرتے ہین اور بوجہ معقول کرتے ہین،

جادہ شناسِ کوئے غیر بودم و دوست راہ جوے
منکرِ ذوقِ ہمرہی خردہ بہ رہبری گرفت

رقیب کی خطا پر غالب کی سرزنش کیجاتی ہے، دوسرا ہوتا تو خفا ہوتا مگر غالب خوش ہوتے اور اتنا خوش ہوتے ہین کہ اس جوشِ مسرت کو ایک متاعِ عزیز کی طرح نگاہِ اغیار سے چھپانے کی کوشش کرتے ہین اور شکریہ کو شکایت کی شکل مین پیش کرتے ہین، مگر مسرت ہے کہ نالۂ فریاد سے بھی نغمۂ نشاط بنکر نکل رہی ہے، ملاحظہ ہو

۵ اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا | غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

اسلاف یہ کہتے آئے تھے کہ معشوق اتنے ظالم، اتنے ستمگار اور اتنے شقی القلب ہوتے ہین کہ نالۂ مظلوم ہی کو نغمۂ محفل سمجھتے ہین، غالب بھی یہی کہتا ہے مگر وہ آدابِ محبت کا رازدان ہے، کوئی ایسی بات جس سے معشوق کی تنقیص ہو اسکی زبان سے نکل نہین سکتی، لہذا ادائے خیال کے لیے ایسا پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے کہ عیب کو ہنر بنا دیا ہے،

دورِ چشم بد تیری بزمِ طرب سے واہ وا | نغمہ بن جاتا ہے گر نالہ مرا دان جاے ہے،

گویا یہ معشوق کی سنگدلی نہین ہے بلکہ اس بزمِ نشاط کی فضا ہی ایسی روح پرور ہے کہ غم، سرور سے اور نالہ نغمہ سے بدل جاتا ہے،

دنیا نالۂ عشق کو شکوۂ جفا سمجھتی ہے اور غالب اسکو تقاضائے ستم قرار دیتے ہین،

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین | ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

یہان ایک نکتہ اور بھی قابلِ توجہ ہے، بیدادگرون کی فطرت یہ ہے کہ ستم بھی کرتے ہین مگر فریادِ ستم سے خفا بھی ہوتے ہین یہانتک کہ مظلومون کا منہ جبرًا بند کرنے کے خیال سے ہر فریاد پر جورِ جدید کی بارش کرتے ہین، ایسے ظالمون سے شکوۂ بیداد حقیقۃً ایجادِ ستم کی تحریک ہے گیا حالاتِ حاضرہ پر غالب کا یہ الہامِ شعری بالکل منطبق نہین ہوتا،

وحدۃ الوجود کا خیال ایک پامال خیال ہے، اور سب نے لکھا ہے لیکن غالب کے ایک شعر کی مثال دنیاے ادب مین نہ مل سکیگی،

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا | ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا مین تو کیا ہوتا

"فلسفہ" "منطق" "تصوف" اور شاعری کا اس درجہ دلکش اجتماع شاید کہین نہ نظر آسکے،

اشکِ محبت یا قطرۂ مے کو موتیون پر سب ترجیح دیتے ہین، کسی استاد کا شعر ہے،

تاک را سیراب کن اے ابرِ نیسان در بہار | قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے | آنکھون مین وہ قطرہ ہے جو گوہر نہوا تھا

ہوس پیشہ عشاق عمومًا حسن مین جذبۂ خودنمائی کو پسند کرتے ہین اور جتنا ہی ادھر سے ناز و عشوہ کی بارش ہو اور فریبِ دلبری کی کوشش کیجائے اسیقدر یہ دلفروشی پر آمادہ ہوتے ہین، مگر غالب، بلند نظر غالب، فطرتِ انسانی کا رازدان، اور فلسفۂ عشق کا نکتہ شناس ہے، وہ خود اپنے قصد و ارادہ سے گرفتار ہونے کے لئے طیار ہے اور ایک حسنِ بے پروا و نگاہِ غلط انداز پر شہید ہو جانے کے لیے آمادہ مگر جہان کسی نے اس کو گرفتار کرنے کے لیے کمند پھینکی اور قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی وہین اسکی فطرتِ خودپسند نے ابا کیا، یہی وجہ ہے کہ جلوہ سربازار خواہ کتنا ہی دلفریب کیون نہ ہو بلند فطرت طبائع کے لیے کوئی سامانِ کشش نہین رکھتا، غالب نے اسی بات کو دو جگہ کہا ہے، اور ہر جگہ جداگانہ رنگ مین کہا ہے:-

سادگی پر اُسکے مرجانےکی حسرت دل مین ہے | بس نہین چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل مین ہے

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا | لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

نظیری کا ایک ہمثیل شعر ہے:-

مرا بہ سادہ دلیہاے من توان بخشید
خطا نمودہ ام و چشمِ آفرین دارم

غالبؔ نے پورا مصرع نظیری کا دن دھاڑے اڑا لیا، اور چوری سے بھی نہیں بلکہ سینہ زوری سے اور کمال یہ ہے کہ اسطرح اپنی ملکیت بنایا کہ اگر نظیری زندہ ہوتا تو اسکو اپنا مال لیجانے مین شبہ ہوتا اور اس دلیرانہ قزاقی کے صلہ مین اپنا دیوان نثار کر دیتا،

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالبؔ

خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

تقدیر و تدبیر کی جنگ سلف سے چلی آتی ہے، ایک فریق اگر تقدیر کا قائل ہے تو دوسرا تدبیر کا، غالبؔ دونون مین صلح کرا دیتا ہے اور ایسی صلح کہ دونون کی بات رہجاتی ہے،

ہر چہ فلک نخواست است ہیچکس از فلک نخواست

ظرف فقیہ مے نجست بادۂ ماگزک نخواست

مطلب یہ ہے کہ بیشک تدبیرہی سے سب کچھ ہوتا ہے مگر خود تدبیر کا بن آنا بھی تو تقدیر یعنی قدرتی تحرکات اور ماحول کے اثرات پر مبنی ہے،

یہ امر مسلمات شاعری مین ہے کہ عشاق کی آہین بے اثر نالے نارسا اور دعائین نامقبول ہوتی ہین، غالبؔ اپنی دعا ہائے پیہم کے غیر مستجاب ہونے پر عاجز آکر ایسی صورت نکالنا چاہتا ہے کہ معاذ اللہ کارکنان قضا و قدر کو بھی شکست ہوجائے، اور ایسی دعا کرے کہ خدا سے بھی مسترد کرتے بن نہ پڑے، بتائیے ایسی دعا کیا ہوسکتی ہے، لیجئے حضرت غالبؔ کی زبان سے سنیے،

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز

دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

ملک الشعرا کلیم کا ایک بےمثل شعر ہے:-

کے بہر نا محرمے چاک جگر خواہم نمود
منکہ زخمش را نہان از چشم سوزن داشتم

غالبؔ نے اس شعر کے ہر مصرع سے ایک جداگانہ خیال پیدا کیا اور دو ایسے الہامی شعر لکھدیے جو اردو زبان مین ہمیشہ بےمثل رہین گے،

نظر لگے نہ کہین اُس کے دست و بازو کو

یہ لوگ کیون میرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

یہ وہی زخم جگر کو دکھانے کی مخالفت ہے مگر یہان دنیا ہی دوسری ہے،

دوسرا شعر ملاحظہ ہو،ـ

زخم سلوانے یہ مجبہ چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

اس شعر کا خیال شعر کلیم کے دوسرے مصرع سے ماخوذ ہے مگر بالکل مخالف اور اچھوتا خیال باندھا ہے جو کلیم کی تخئیل سے بمراحل نازک تر ہے،

میلی کا شعر ہے،

ہم از وفا مدار بدہ وعدۂ کہ من

از ذوق وعدۂ تو بہ فردا نمی رسم

اسی کے لگ بھگ اور میرے خیال ناقص مین اسی سے ماخوذ مگر بدرجہا بلند تر غالبؔ کا حسب ذیل مشہور شعر ہے

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

آرگس نے اسکو سرقات غالبؔ کی مثال مین پیش کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ دونون خیال بجنسہ ایک ہین میلی کے "ہان قبل وعدہ ہے اور یہان بعد وعدہ"

حیرت ہے کہ حضرت بیخود بھی اس کے متعلق یہ فرماتے ہین "میری رائے مین حضرت آرگس کا خیال صحیح ہے،" مین عرض کرونگا کہ حضرت بیخود نے آرگس سے ایک جگہ اتفاق بھی کیا تو غلط، کیا سوء اتفاق کی مثال ہے

بہتر ہو سکتی ہے، اولاً تو مین حضرت آرگس کا یہ فقرہ نہین سمجھا (مگر میلی کے ہان قبل وعدہ یہان بعد وعدہ) میلی اپنے شعر مین معشوق سے التجائے وعدہ کر رہا ہے اور ایفائے عہد سے پہلے اپنے مرجانے کا یقین دلا کر وعدہ لینا چاہتا ہے، معلوم نہین اس التجا کا کیا حشر ہوا، قیاس تو یہی ہوتا ہے کہ وعدہ نہ ہوا ہوگا، بہرحال جب وعدہ ہونے یا نہ ہونے کا کوئی پتہ شعر سے نہین چلتا تو قبل وعدہ یا بعد وعدہ کیا؟ غالب معشوق کے فریب وعدہ مین مبتلا ہونے پر اظہار فخر کر رہا ہے، یہ البتہ بعد وعدہ کا واقعہ ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ بنائے خیال دونون کے ہان ایک مشہور عام عقیدہ ہے کہ انسان انتہائے خوشی کا تحمل نہین کر سکتا، مگر نتیجہ کے اعتبار سے دونون اشعار بالکل مختلف ہین، میلی کا شعر فطرت انسانی کے خلاف ہے، اور اسی کی اصلاح غالب نے اپنے شعر مین کی ہے، میلی کا معشوق سے یہ کہنا کہ تم وعدۂ وصل کر دو، تمھین ایفائے عہد کی زحمت نہ ہوگی اور مین وقت معہودہ کے پیشتر ہی محض وعدہ کی خوشی مین مرجاؤنگا، کیا صریح دھوکہ اور کھلا ہوا جھوٹ نہین ہے؟ شادی مرگ صرف اس واقعۂ مسرت پر ممکن ہے، جو بالکل غیر متوقع طور پر یکایک ظہور پذیر ہو اور جو حقیقۃً ناقابل برداشت خوشی کا موجب بھی ہو سکتا ہو، وعدۂ معشوق تو بخیال شعرا کوئی بڑی اہم چیز نہین ہے، یہ تو ہر وقت بہ آسانی کیا جاتا ہے اور اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ توڑا جاتا ہے، اسکی خوشی کیا؟ جبکہ وفا کی امید ہی نہین، ہان ایفائے عہد البتہ ایک غیر معمولی مسرت کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن جو وعدہ ابتدا ہی سے بخیال عدم ایفا لیا جا رہا ہے اس پر خوشی کیونکر ہو سکتی ہے، اور خوشی نہین تو شادی مرگ یعنی چہ؟

برعکس اس کے غالب کا شعر محض ایک شعر ہی نہین بجائے خود ایک داستان ہے، عاشق صدمۂ فراق مین جان بلب ہے، اور محبوب کی خدمت مین عریضۂ شوق بھیجتا ہے، کہ اب ہجر مین جینا دشوار ہے، اگر آپ ایک خون ناحق کا گناہ اپنے سر لینا نہین چاہتے تو خدارا سر بالین آجائیے، یا اگر فوراً نہین آسکتے تو کوئی زمانہ ہی متعین کر دیجئے، تاکہ اس وعدے کے سہارے انتظار کی گھڑیان جھیلی جاسکین، معشوق اس خط کے جواب مین محض بہ نیت تسکین عاشق اور بلا خیال ایفائے عہد ایک مدت معینہ کے بعد آنے کا وعدہ کر لیتا ہے،

اتفاق سے عاشق سخت جان وعدے تک زندہ رہجاتا ہے، پھر بھی محبوب وفائے عہد نہین کرتا، اب پھر یہ فریب خوردۂ محبت معشوق کو اس کا وعدہ یاد دلاتا ہے، مگر وہان یہ ارشاد ہوتا ہے، "آپ بھی اچھے خاصے احمق ہین یہان وفائے عہد کا ارادہ ہی کب تھا، یہ وعدہ تو جھوٹ موٹ محض اس لیے کر دیا تھا کہ تمھاری جان بچی رہے اور فہرست شہدا مین ایک غیر ضروری اضافہ نہ ہو، عاشق ناشاد کے لیے یہ انداز جواب سخت دلشکن ہوتا ہے اور جب وصال یار سے قطعی مایوسی ہوجاتی ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم شماتت ہمسایہ سے تو محفوظ رہے اور الٹا حماقت وابلہی کا الزام تو سر نہ پڑے، چنانچہ خجالت سے بچنے کے لیے فوراً جواب دیتا ہے، (تو یہان کب آپ کے وعدون پر اعتبار تھا، آپ یہ نہ سمجھین کہ مین آپ کے وعدون کو باور کر کے اب تک جیتا رہا ہون، قصہ اس کے بالکل برعکس ہے، اگر مین سچ سمجھے ہوتا تو خوشی سے مر نہ گیا ہوتا،)

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ داستان کا پہلا حصہ غالب کے الفاظ سے پیدا نہین ہوتا اور یہ اس ناچیز کی جدت طرازی ہے مگر مین عرض کرونگا کہ قرینۂ مقام خود اس مکالمۂ حسن وعشق کے ابتدائی ٹکڑے کو ظاہر کر رہا ہے کہ آغاز گفتگو یون ہوا ہوگا،

علاوہ برین "ترے وعدہ پر جئے ہم" کا فقرہ یہ بتاتا ہے کہ وعدہ کے سہارے جیتے رہنے کا واقعہ فریقین مکالمہ مین مسلم ہے اور اس فقرہ کا قائل پہلے جان بہ لب تھا، جینے کی توقع نہ تھی، مگر وعدہ کرنے والے نے اس مہجور جان بلب کی زندگی قائم رکھنے کے خیال سے وعدہ کر لیا تھا، اور اب زندہ رہجانے پر طعن کر رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ طعن صرف اس بات پر ہو سکتا ہے کہ جھوٹے وعدہ کو سادہ لوحی سے سچ باور کیا، اور اسی الزام کی تردید عاشق ان الفاظ مین کرتا ہے: "یہ جان جھوٹ جانا" یہ غالب کا کمال ہے کہ محض قرینۂ مقام پر اکتفا کر کے خود الفاظ شعر سے واقعہ کے محذوف ٹکڑے کی طرف ذہن سامع کی رہبری کر دی ہے،

یہ صنعت اکثر اساتذہ نے برتی ہے، حضرت خواجہ حافظ علیہ الرحمہ کا مشہور شعر ہے،

صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ می زد

اب حکایتِ زلف سننے کے بعد بنفشہ کے غرورِ حسن اور اہتمام آرایش پر کیا گذری، حافظ خود کچھ اس کے متعلق نہین فرماتے اور سامع کی تخئیل پر چھوڑ دیتے ہین،

خود حضرت غالب نے بھی ایک دوسرے شعر مین ندرتِ بیان کا یہی اسلوب اختیار کیا ہی اور واقعہ کے کچھ اجزائے ماقبل و مابعد حذف کر دیئے ہین،

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے ۔۔۔ اٹھا اور اٹھکے قدم مین نے پاسبان کے لیے

جناب بیخود نے یہ فرمایا ہے کہ غالب و ملی کے اشعار مین اتفاقیہ توارُد ہو گیا ہے، مین یہ عرض کرونگا کہ توارد تو جب ہو کہ غالب کو شعرِ ملی کا علم نہ ہو، کون باور کریگا کہ ملی کا اتنا مشہور شعر جس کو یاس و آسی، نیاز و آرگس سب جانتے ہون اس سے غالب کے کان نا آشنا رہے ہونگے حق یہ ہے کہ شعرِ غالب اصلاحِ شعرِ ملی ہے، اور اتنی بہتر اصلاح ہے جس پر غالب کو بجا طور پر ناز ہو سکتا تھا،

اشعارِ غالب کے حل مین ایک مقام پر اور مجھ کو حضرت بیخود سے اختلاف ہے، وہ شعر یہ ہے،

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ ۔۔۔ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

بیخود صاحب نے بہ تقلید شوکت میرٹھی مرحوم اس شعر مین قفسِ رنگ کو قفسی رنگ پڑھا ہی اور شعر کا مطلب یہ بیان کیا ہے (قمری بھی نالہ کش ہے اور بلبل بھی، قمری سوزِ عشق سے جل کر کفِ خاکستر ہے اور بلبل خاک سیاہ اور اس طرح دونون اپنے سوزِ عشق کا مرقع بنی ہوئی ہین، ان کا دعوی عشق مسلم ہی اے نالہ! مین اپنے سوزِ دل کے ثبوت مین دنیا کو کیا دکھاؤن خالی نالہ دعوی بے دلیل اور موجبِ رسوائی ہے)

مین یہ دعوی تو نہین کرتا کہ مولانا بیخود کا بیان کردہ مطلب غلط ہے مگر اسکو کیا کرون کہ میرا ذوق شعری اس مفہوم کو غالب کی طرف منسوب کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہین ہے، اس کے دو وجوہ ہین اولاً تو قفسی رنگ کا لفظ کانون کو کھٹکتا ہے، یہ تو وہی قصہ ہوا جیسا کہ کسی شارح صاحب نے حافظ کے اس شعر مین

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے ۔۔۔ دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

دگران کو دگران پڑھا، اور پھر دگر نام کی ایک عجیب و غریب چڑیا ایجاد کی جس کے پرون پر کچھ نقوش خطِ نسخ سے مشابہ ہوتے ہین، اور دوسری چڑیان ان نقوش کو آیات قرآنی سمجھکر شاید قرأت کے لیے دگر کے پاس آتی ہین اور دگر اس حیلہ سے ان خوش اعتقادون کو چٹ کر جاتی ہے، علاوہ برین قفسی رنگ سے رنگ سیاہ ہی کیون مراد لیا جائے، کیا قفس کے لیے ضروری ہے کہ لوہے کا ہی ہو اکثر پنجرے بانس یا بینت کی تیلیون کے بھی تو ہوتے ہین، جناب بیخود کا استدلال جو کتابت دیوان پر ہے وہ چندان قابلِ اعتنا نہین ہے، خود یہی مجموعۂ مقالات بیخود صاحب کے اہتمام مین شائع ہوا ہے، مگر کتابت کی غلطیان ایسی کثرت سے ہین کہ الامان، وجہ ثانی اختلاف کی یہ ہے کہ اگر بیخود صاحب کی تعبیر صحیح مان لیجائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ غالب اپنے مرتبۂ عشق کو بلبل و قمری کے عشق سے فروتر سمجھتا ہی اور یہ امر غالب کی فطرت کے بالکل مخالف ہے۔

میری نظر سے غالب کی جتنی شرحین گزری ہین کسی مین بھی اس شعر کی صحیح تعبیر نہین کی گئی، مگر جناب حسرت موہانی نے تو "اے نالہ" کو جزو نالہ بنایا، پھر بھی مفہوم شعر ویسا ہی لاینحل رہا، غالب مرحوم کو کیا خبر تھی کہ مقبولِ عوام ہونے کی مصیبت جس سے وہ جیتے جی ہمیشہ پناہ مانگتے، اور دامن بچاتے رہے، مرنے کے بعد ان کے سر پڑے گی اور نوبت یہان تک پہنچ جائے گی کہ ذوقِ سخن کی بنا پر نہین بلکہ محض تجارتی اغراض سے دیوانِ غالب کے رنگا رنگ ایڈیشن شائع کئے جائینگے اور عجیب و غریب شرحین لکھی جائینگی جن کو دیکھکر اگر غالب زندہ ہوتے تو سر پیٹ لیتے،

ان شرحون کو دیکھکر مدت سے یہ خیال رہ رہ کے دل مین چٹکیان لیتا تھا کہ جب ہر سطح کے اشخاص شارحِ غالب کی حیثیت سے جلوہ گر ہو رہے ہین تو یہ ناچیز بھی کیون نہ لہو لگا کر شہیدون مین

شامل ہوجائے، مگر مکروہات زمانہ نے کبھی اتنی فرصت نہ دی کہ ارادہ عمل کی صورت اختیار کرتا، اور اب تو اسکی ضرورت بھی نہین معلوم ہوتی کیونکہ جناب بیخود کے جو مضامین اب تک طبع ہو چکے ہین، ان مین غالب کے اکثر مشکل اشعار کا صحیح حل کر دیا گیا ہے، خدا کرے جناب ممدوح کی موجودہ شرح دیوان غالب جلد نظر فروز ہو اور پرستاران غالب کے ذمے سے یہ فرض کفائی ساقط ہوجائے بہرحال یہ تو جملہ معترضہ تھا، جہانتک مذکورۂ بالا شعر کے شرح کا تعلق ہے یہ نیازمند جناب بیخود کا ہمنوا نہین ہے، اسلیے اپنی فہم ناقص اور ذہن نارسا کے مطابق جو مفہوم اس شعر کا سمجھ مین آتا ہے وہ نذر ناظرین ہے، پہلے چند مقدمات ذہن نشین کر لینا ضروری ہین،

۱۔ قفس رنگ کے وہی معنی ہین جو جناب نظم طباطبائی نے لکھے ہین یعنی سبد رنگ، ان معنون مین یہ لفظ زبان فارسی مین مستعمل ہے اور وجہ ظاہر ہے، رنگ کو اڑنے کی بنا پر طائر سے تشبیہ دیتے ہین، یہان بلبل کی رعایت سے قفس رنگ کا لفظ سبد رنگ سے زیادہ مناسب ہے،

۲۔ نالہ کشی ایک صفت مشترک ہے جو بلبل، قمری، اور عاشق ناشاد سب مین پائی جاتی ہے،

۳۔ نالہ کشی اگر حقیقی ہو تو فطری ظہور ہے دل کی اندرونی کاوشون کا اور یہ کاوشین ایک شاعر کے خیال مین صرف سوز محبت سے پیدا ہوتی ہین،

۴۔ سوز منافی ہے افسردگی اور سرد طبعی کا، خاکستر وہ ہے جسمین ایک چنگاری بھی نہ رہجائے اور سوز کا نشان تک نہ پایا جائے۔

۵۔ سوز منافی ہے رنگینی کا کیونکہ رنگینی علامت عیش و نشاط ہے اور سوز محبت نام ہے حزن و اضطراب کا،

اب شعر کا مطلب سنیے۔ (یون ظاہری طور پر تو بلبل و قمری کی صدائین بھی نالۂ عاشق سے ملتی جلتی ہین مگر نالۂ عاشق اور نوائے بلبل و قمری مین اصل و نقل کا فرق ہے، عاشق کے نالے تو سوز محبت کی بیتابی ظاہر کرتے ہین، یہ بات فغان بلبل و قمری مین کہان قمری محض راکھ کا ڈھیر ہے جسمین سوز محبت کی کوئی چنگاری

نہین ہے، اور بلبل ہمہ تن رنگینی نشاط ہے اسکو سوز محبت سے کیا سروکار؟ ان دونون کی صورتین خود اس امر کی شاہد ہین کہ یہ ذوق جگر سوختگی سے محروم ہین اور انکی نالہ کشی محض نقالی ہے) یہان "اے نالہ" سے مراد "اے نالۂ بلبل و قمری" ہے خود اپنا نالہ مخاطب نہین ہے، اس شعر کا مطلب سمجھنے مین شارحین نے جو غلطی کی ہے اسکا سبب یہ ہے کہ لفظ خاکستر سے ذہن خاکستر کی علت یعنی آگ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور یہ سب حضرات آغاز ہی یہان سے کرتے ہین کہ "قمری جلکر راکھ کا ڈھیر ہوگئی ہے" حالانکہ نہ تو مشبہ اور مشبہ بہ مین پوری تاریخی مطابقت ضروری ہے نہ معلول مین علت کا وجود یا پایا جانا ہمیشہ لازمی ہے، آئے دن سیلابون سے مکانات منہدم ہوتے رہتے ہین مگر کیا ہمیشہ کھنڈر مین پانی کا موجود رہنا ضروری ہوتا ہے، یہان شاعر نے خاکستری رنگ کی بنا پر قمری کو کف خاکستر کہا اور چونکہ خاکستر سوز سے بالکل خالی ہوتی ہے اس لیے قمری کو سوز محبت سے محروم سمجھنے کے لیے شاعرانہ استدلال پیدا ہوگیا، برعکس اس کے شارحین نے خاکستر کی موجودہ حالت سے قطع نظر کرکے اس کی سابقہ حالت کو وجہ شبہ قرار دیا اور قمری کے خاکستری رنگ کو دلیل سوز محبت سمجھا، جب اس طرح شعر کے ابتدائی ٹکڑے کا مفہوم ہی منشائے شاعر کے خلاف بدل دیا گیا تو معنی کی چول کیونکر بیٹھے مجبوراً کسی نے قفسی رنگ ایجاد کیا، کسی نے اے نالہ کو جزنالہ بنایا پھر بھی مفہوم شعر چیستان کا چیستان ہی بنا رہا، سچ ہے

خشت اول چون نہد معمار کج ... تا ثریا می رود دیوار کج

مین نے اس مجموعۂ مقالات کو من اولہ الی آخرہ معاندانہ نظر سے دیکھا اور یہ کوشش کی کہ کہین کوئی وجہ اختلاف نظر آئے تو اس کو ظاہر کردون، تاکہ دیانت نقد کا حق ادا ہوجائے، اور میرا ضمیر مجھکو بیجا پاسداری کا مجرم نہ ٹھہرائے لیکن یا تو میری نگاہ اتنی نکتہ رس نہین، یا خود یہ مضامین اتنے بلند معیار کے ہین کہ ۵۰۰ صفحات کی ضخامت مین بجز چند مذکورۂ بالا مقامات کے کوئی ایسی قابل ذکر فروگذاشت نہین ملی جس سے اختلاف ضروری معلوم ہو، اور جن مقامات پر مین نے اختلاف رائے بھی کیا ہے انکی نسبت بھی میرا یہ دعویٰ نہین ہے کہ میری ہی رائے صحیح ہے مگر بہرحال اظہار ضروری تھا مجھے افسوس ہے کہ یہ تبصرہ غیر معمولی طور پر

طویل ہوگیا، اور تمہید کے علاوہ مصنف حدائق البلاغت کے اختلافات اور سرقہ واستفادہ کی بحث کا ٹکڑا غیر ضروری حد تک پھیل گیا، مگر چونکہ یہ ناچیز تصنیف و تالیف کا خوگر اور ضبط خیالات کا عادی نہین ہے، اس لیے مجبورًا جو خیال جس ترتیب سے دماغ مین آتا گیا، قلمبند کر دیا گیا، نظر ثانی اور حک و اصلاح کی نوبت نہ آئی، ان حالات مین امید ہے کہ ناظرین چشم پوشی فرمائینگے،

ہان یہ گذارش کر دینا ضروری ہے کہ مضامین زیر نظر کی طباعت جہانتک حسن خط اور کاغذ کی نفاست کا تعلق ہے بہت عمدہ ہوئی ہے، البتہ کتابت کی غلطیان بکثرت ہین، اور یہ ایک ناگزیر مصیبت ہے اور بعض اغلاط کتابت تو غالبًا ارثًا چلی آتی ہین، مثلًا خاقانی کے مندرجہ ذیل شعر مین برکنم کے بجاے برکشم لکھ گیا ہے،

خارا چو مار برکنم وانگہ از عصا — صد چشمہ چون کلیم زخارا برآورم

فارسی مین کپڑے اتارنے کو جامہ کندن کہتے ہین اسی لیے کپڑے بدلنے کا کمرہ جامہ کن کہلاتا ہے، یہ غلطی غالبًا ابتدا مین مطبع نولکشوری نے کی جو اب تک چلی جاتی ہے اور نہ تو مین فاضل شارحین نے اس پر توجہ کی ہے نہ خود مولانا نجود نے کوئی خیال فرمایا،

کتاب کے آخر مین ایک غلط نامہ دیدیا گیا جس سے ایک بڑی حد تک تلافی ہو جاتی ہے، مجھے امید ہے کہ اردو علم ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بالعموم اس کتاب کا خیر مقدم کرینگے،

تلخیص و تبصرہ

سیدی علی چلپی ہندوستان مین

ترکی امیر البحر سیدی علی کے نام سے لوگ کم واقف ہین، اس نے سفرنامہ کے طور پر محیط، اور مرآۃ الممالک کے نام سے دو کتابین لکھی ہین، "محیط" اس لحاظ سے نہایت قیمتی کتاب ہے کہ اس مین اُن راستون کا مفصل بیان ہے جو عرب جہازرانون نے قرون وسطیٰ کے پچھلے دور مین اختیار کئے تھے قبل اس کے کہ اہل پرتگال نے ان مشرقی بحیرون کو عبور کر کے اپنے بیانات و نقشہ جات کے ذریعہ سے یورپ کو ان کے حالات سے مطلع کیا، "محیط" کے جن ابواب مین تفصیلی بیانات ہین اُن کا ترجمہ ڈاکٹر ایم بٹنر (DR.M.BITTNER) نے جرمن زبان مین کیا ہے، سیدی علی کی دوسری کتاب مرآۃ الممالک سے لوگون کو نسبۃً کم واقفیت ہے، اسکا ترجمہ ۱۸۱۵ء مین وان ڈیز (VON DIEZ) نے جرمن مین کیا اور چند سال بعد ایم، مارس (M. MORRIS) نے فرانسیسی زبان مین کیا، ۱۸۹۹ء مین وسط ایشیا کے مشہور سیاح آرمینس ویمبری (ARMINIUS) نے ایک تازہ انگریزی ترجمہ شایع کیا، کارخانۂ وطن لاہور نے ایک زمانہ مین اس کا اردو ترجمہ بھی شایع کیا تھا، گو بہت غلط ہے،

ہمین سیدی علی کے متعلق جو کچھ واقفیت ہے وہ اسی غیر معمولی کتاب سے حاصل ہوئی ہے جسمین اس نے خود اپنے حالات بیان کئے ہین، وہ سلطان سلیمان اول کے زمانہ مین تھا اور اسکی خدمات کا بیشتر حصہ اسی سلطان کی ملازمت مین گذرا، اس کے باپ کا نام حسین تھا، اُس کا بیان ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد سے اسکا

باپ اور دادا شاہی اسلحہ خانہ غلطہ کے مہتمم تھے، اس نے خود بھی فن جہاز رانی کا عمیق مطالعہ کیا تھا، وہ فتح رہوڈس (RHODES) کے موقعہ پر موجود تھا اور اُن تمام لڑائیون مین شریک تھا جو بحر روم مین واقع ہوئین، نیز خیر الدین پاشا کی تمام فتوحات مین اس کا ہم رکاب تھا، اس نے ہیئت، فلسفہ، اور فن جہاز رانی پر کتابین لکھین اور کاتب رومی کے نام سے مشہور ہوا،

۱۵۳۵ء مین بہادر شاہ سلطان گجرات شہنشاہ ہمایون سے شکست کھا کر اہل پرتگال کی مدد حاصل کرنے کے لیے دیو (DIU) پہنچا اور اس مدد کے معاوضہ مین اہل پرتگال کو دیو (DIU) مین ایک قلعہ بنانے کی اجازت دی اور اس قلعہ کی تعمیر نہایت تیزی سے شروع ہوگئی، بہادر شاہ نے سلطان ترکی کی خدمت مین بھی مدد کی درخواست بھیجی تھی لیکن قبل اس کے کہ ترکی بیڑا بہادر شاہ کی مدد کو پہنچے اس کا مقابلہ پرتگالی بیڑے سے ہوگیا، اور سلیمان پاشا امیر البحر کو نومبر ۱۵۳۸ء مین دیو (DIU) سے واپس ہونا پڑا، چند سالون کے بعد ۱۵۵۱ء مین ایک دوسرا ترکی بیڑا مصری امیر البحر پیری بیگ کی سرکردگی مین سوئز سے روانہ ہوا اور خلیج فارس مین پہنچکر ہرمز (HOYMUZ) کو جو پرتگالیون کا مقبوضہ تھا تاراج کیا لیکن آخر اسے بھی پرتگالی بیڑے سے پسپا ہونا پڑا، پیری بیگ خود مصر پہنچ گیا لیکن اس کے جہازات کا بیشتر حصہ بصرہ مین رہ گیا، ان جہازات کو واپس لیجانے کی خدمت مراد بیگ کو سپرد ہوئی، لیکن وہ بھی ناکام رہا، آخر سلطان ترکی نے سیدی علی چلپی کو مصر کا امیر البحر مقرر کر کے اس بیڑے کو بصرہ سے واپس لیجانے پر مامور کیا،

سیدی علی حلب سے موصل ہوتا ہوا بغداد پہنچا اور وہان سے کربلا کی زیارت کے لیے گیا، بغداد واپس آکر وہ قطالامارہ کو روانہ ہوا اور واسط سے گذر کر زبیہ گیا اور وہان سے بصرہ پہنچا، یکم شعبان ۹۶۱ھ کو بصرہ سے مصر کی طرف جہاز سے روانہ ہوا، راستہ مین مسقط کے قریب پرتگالی جہازون سے مقابلہ ہوا جس مین پندرہ مین سے صرف نو ترکی جہاز محفوظ رہ سکے، اس کے بعد یہ مختصر ترکی بیڑا ایک زبردست طوفان مین گرفتار ہو کر ہندوستان کے مغربی ساحل کی طرف بہہ نکلا، اس طوفان مین ان جہازون کو بہت نقصان پہنچا، خود سیدی علی

کا جہاز بری طرح زخمی ہوگیا تھا، آخر بمشکل تمام یہ مجروح بیڑا سورت پہنچا جہان عماد الملک وزیر سلطان احمد نے اسے مدعو کیا تھا،

جس زمانہ مین سیدی علی گجرات پہنچا وہ اس ملک کیلئے نہایت انتشار اور ابتری کا زمانہ تھا، چند ہی روز قبل محمود ثانی قتل کیا جا چکا تھا اور اسکی جگہ احمد خان احمد شاہ ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا تھا اور محض نام کا سلطان تھا، علی چلپی نے گجرات کے سیاسی حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس سلسلہ مین سلطان محمود کے قتل اور ناصر الملک خداوند خان اور عادل خان کا ذکر کیا ہے جنھون نے اس وقت کی سیاسی فضا مین نمایان حصہ لیا تھا، یہ دیکھکر کہ بحری راستہ سے مصر پہنچنا ناممکن ہے سیدی علی نے بری راستے سے سندھ، پنجاب اور افغانستان ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچنے کا فیصلہ کیا، آخر نومبر یا ابتدائے دسمبر ۱۵۵۴ء مین وہ اس لمبے سفر کے لیے روانہ ہوا اور بھروچ، بڑودہ، چمپانیر، اور محمود آباد سے گذرتا ہوا احمد آباد پہنچا جو اس وقت بھی گجرات کا دار السلطنت تھا، راستہ مین اسے تاڑ کے درخت نظر آئے اور اُس نے تاڑی کو اتارتے ہوئے بھی دیکھا، یہ اس کے ساتھیون کے لیے ایک عجیب چیز تھی، وہان اُسے بڑے بڑے برگد کے درخت بھی دکھائی دیے جنکی جڑین شاخون سے لٹک رہی تھین اور وہ اس قدر وسیع تھے کہ اُن کے نیچے "ہزارون" آدمی کھڑے ہو سکتے تھے، بعض مقامات پر خیمہ کے ہر چہار طرف بے شمار بندر اور چھوٹے چھوٹے طوطے جمع ہو جاتے تھے، سورت سے روانہ ہونے کے تقریباً پچاس روز بعد غالباً جنوری ۱۵۵۵ء کے پچھلے حصہ مین سیدی علی احمد آباد پہنچا اور وہان وزیر عماد الملک اور سلطان احمد ثانی سے ملاقات کی، سلطان بہت مہربانی سے پیش آیا اور ایک گھوڑا، کئی اونٹ اور سفر خرچ کے لیے روپیہ پیش کیا، سیدی علی کا بیان ہے کہ سلطان نے اُسے بھروچ کی گورنری بھی پیش کی تھی لیکن اس نے قبول نہین کیا، عماد الملک کے مکان پر اتفاق سے ایک پرتگالی سفیر سے ملاقات ہوگئی، دونون مین گفتگو نہایت تیزی سے ہوئی اور اس سفیر نے سیدی علی کو دھمکی دی کہ تم کسی بندرگاہ سے نہ جا سکو گے جس کا جواب سیدی علی نے یہ دیا کہ مین خشکی سے بھی سفر کر سکتا ہون، احمد آباد کے قیام مین سیدی علی نے شیخ احمد مغربی کے مزار کی زیارت کی

اور یہین اس نے اپنی مشہور کتاب "محیط" کی تالیف بھی کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

آئنسٹین کا عالمگیر مذہب

آئنسٹین (EINSTEIN) کو لوگ دہری کہتے ہین، لیکن یہ ممتاز سائنس دان اور فلسفی جس نے دنیا کے سامنے اپنا نظریۂ اضافیت پیش کیا ہے، درحقیقت دہری نہین، البتہ اُس کا یہ عقیدہ نہین ہو کہ خدا ایک عظیم الشان انسانی ہستی ہے، اور نہ اُس کے نزدیک اس معنی مین گناہ کوئی چیز ہے جس معنی مین عام طور پر گناہ کو گناہ سمجھا جاتا ہے، اس کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے جو اُن لوگون مین بھی مشترک ہے جنھون نے اسکی طرح کائنات کے ماٰخذ کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور جنکو ہمیشہ اس کی اصل راز سے دوچار ہونا پڑا ہے، وہ اس نقطۂ نظر کو "عالمگیر مذہبی حس" (COSMIC RELIGIOUSSENSE) کے نام سے پکارتا ہے،

آئنسٹین مین حد درجہ انسانیت ہے، وہ ظرافت کو پسند کرتا ہے اور لوگون کو خوش دیکھنا چاہتا ہے، اس کا قول ہے کہ سب سے زیادہ خوبصورت شے جو کہین بھی پائی جاسکتی ہے ایک ایسا چہرہ ہے جس سے مسرت ٹپکتی ہو، یہ خود اُس کا چہرہ دلچسپی کے اوقات مین چمک اٹھتا ہے،

آئنسٹین فرقہ وارانہ سیاست مین شامل نہین ہوتا، بجائے اس کے اُسے رفاہ عام کے کامون سے خاص طور پر دلچسپی ہے، دوستون سے اکثر صلح و آشتی کے موضوع پر گفتگو کرتا ہے، اس کا خیال ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی مضبوطی سے جس کا اظہار علوم و فنون، ادبیات اور اقتصادیات مین ہو رہا ہو جنگ کا استیصال ہو جائے گا،

نیو یارک ٹائمس میگزین کے ایک مقالہ مین وہ مذہب کی ابتدا کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے، اسکا خیال ہے کہ مذہب انسان کے فطری مطالبون کا جواب ہے، دنیا کے قدیم باشندون مین "خوف کا مذہب" تھا، بھوک کا خوف، جنگلی جانورون کا خوف، بیماری اور موت کا خوف اور ان سب سے محفوظ رہنے کے لیے لوگ انسان کے مثل دیوتاؤن کے سامنے قربانیان پیش کرتے تھے، اس کے بعد وہ مذہب

آ گیا جس کا مبدأ انسانون کے اشتراکی جذبات مین ہے، مثلاً جس کا مبدأ اُس رب کی ہدایت اور محبت کی تمنا مین پایا جاتا ہے جو حفاظت کرتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، جزا اور سزا دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہی خدا کا اشتراکی یا اخلاقی تخیل ہے"، "عالمگیر مذہبی حس" کو وہ یون بیان کرتا ہے،

"ہر زمانہ کے مذہبی پیشواؤن مین یہ عالمگیر مذہبی حس پایا جاتا تھا، جو نہ عقائد کو تسلیم کرتا اور نہ خدا کو انسانی تخیل مین مانتا، لہذا کوئی مذہبی ادارہ ایسا نہین ہو سکتا جس کے خاص خاص اصول عالمگیر مذہبی تجربہ پر مبنی ہون، چنانچہ ہر زمانہ کے بے دینون ہی مین ایسے لوگ ملتے ہین جنکو یہ بلند ترین مذہبی تجربہ حاصل تھا، بیشتر لوگ اپنے ہمعصرون کو دہریے معلوم ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی ولی بھی سمجھے جاتے تھے اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو ڈیموکرائٹس (DEMOCRITUS) فرانسس آف اسّاسی (FRANCISOFASSISI) اور اسپینوزا (SPINOZA) ایک دوسرے سے قریب معلوم ہوتے ہین، اگر یہ عالمگیر مذہبی تجربہ خدا یا اصول مذہب کے صحیح تخیل کی جانب رہنمائی نہین کرسکتا تو کیونکر ممکن ہو کہ ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل کیا جاسکے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم و فن کا سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ اُن لوگون مین جو اس کی صلاحیت رکھتے ہین اس جذبہ کو بیدار کرکے قائم رکھین، اس طرح ہم سائنس اور مذہب کے تعلقات کی وضاحت کرسکتے ہین جو مروجہ راے سے بہت مختلف ہو گی تاریخ کے مطالعہ سے مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے حریف نظر آتے ہین جنین اتفاق ہو ہی نہین سکتا، اور اس کا سبب بھی واضح ہے، اس شخص کے لیے جو تمام واقعات مین قانون علت کا قائل ہے اور جو دل سے اس قانون کا معتقد ہے ایک ایسی ہستی کا تخیل جو دنیا کے واقعات کے تواتر مین دخل دیتی ہو قطعی ناممکن ہے، نہ خوف کے مذہب کا اور نہ اشتراکی و اخلاقی مذہب کا کوئی اثر ایسے شخص پر ہو سکتا، ایسا خدا جو جزا و سزا دیتا ہے اُس کے خیال مین بھی نہین آسکتا اس لیے کہ انسان اپنی اندرونی اور بیرونی ضرورت کے مطابق کام کرتا ہے اور خدا کی نظر مین وہ اپنے کامون کے لیے اسی قدر کم ذمہ دار ہے جس قدر ایک بیجان

ئے اپنی حرکات کے لیے ہے"

آئنسٹین کے خیال مین سائنس پر اخلاق کی تخریب کا الزام غلط ہے، وہ کہتا ہے کہ "انسان کا اخلاقی برتاؤ تو زیادہ تر ہمدردی، تعلیم، اور اشتراکی تعلقات پر مبنی ہے، اس کے لیے مذہب کی مدد کی ضرورت نہین، انسان کی حالت بہت افسوسناک ہوتی اگر اسکی صحیح روش کے لیے موت کے بعد کی سزا و جزا کے خوف و توقع ہی کی ضرورت ہوتی، لہذا یہ بالکل قدرتی ہے کہ مذاہب نے ہمیشہ سائنس کی مخالفت کی ہے اور اس کے حامیون کو سزائین دی ہین، لیکن دوسری طرف مین یہ بھی کہتا ہون کہ سائنس کی تحقیقات کے لیے عالمگیر مذہبی حس ہی سب سے زیادہ قوی اور اعلیٰ محرک ہے، جو شخص تحقیقات سائنس کے محض عملی حصّہ کو جانتا ہے وہ اُن لوگون کی دماغی حالت کے سمجھنے مین غلطی کر سکتا ہے جنھون نے ارباب شک کے ساتھ رہ کر بھی اپنے جیسے تمام دنیا اور ہر زمانہ کے دماغ والون کی رہنمائی کی ہے، جن لوگون نے اپنی زندگیان اس قسم کے کامون کے لیے وقف کر دی تھین صرف انھین کو اس جذبہ کا احساس ہو سکتا ہے جس نے ان لوگون کو اپنے مقصد پر قائم رہنے کی قوت بخشی ہے، یہ عالمگیر مذہبی حس ہی ہو جس نے اس قوت کو پیدا کیا ہو، ایک ہمعصر نے صحیح کہا ہے کہ ہمارے مادیت کے زمانہ کے سچے مذہبی لوگ وہی ہین جو تحقیقات مین سچے دل سے لگے ہوئے ہین"

سلطان صلاح الدین

اسلام اور مسلمانون کے متعلق یورپ کے اہل قلم کا جو رویہ ابتدا سے چلا آتا ہے اسمین عملاً ابتک بہت کم فرق ہوا ہے، اس لیے عرصہ دراز کے بعد اگر نظر کسی ایسی تحریر پر پڑ جاتی ہو جو عام روش سے مختلف ہوتی ہو تو بے اختیار یہ سوال دل مین پیدا ہوتا ہو کہ "انجم می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب" چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ ٹائمس کی ایک قریبی اشاعت کے مطالعہ مین پیش آیا جو غالباً ناظرین کے لیے بھی ایک غیر معمولی چیز ہوگی، مسٹر چارلس روز بالٹ (CHARLES ROSEBAULT) نے سلطان صلاح الدین کی سیرت لکھی ہو، اسپر ٹائمس کے ادبی ضمیمہ مین ایک تبصرہ ہوا ہے، ذیل مین اسی کا خلاصہ ہے، کاش یورپ مین مصنفین مسٹر روز بالٹ

کی انصاف پسندی کی تقلید کرتے،

موجودہ معیار کی رو سے جنگ صلیبی کے عیسائیون کی اخلاقی حالت مسلمانون کے مقابلہ مین اکثر قابل شرم تھی اور اگر صلاح الدین کے ساتھ انصاف برتا جائے اور اُسے مذہبی تعصب سے علٰحدہ کر کے تاریخی روشنی مین دیکھا جائے تو وہ اپنے دشمنون سے بہتر مبارز اور بہتر انسان معلوم ہوتا ہے، ایسا شخص جس نے اکثر اُن صفات کی قابلِ تعریف مثالین پیش کی ہین جو عام طور پر دین عیسوی کی طرف منسوب کیجاتی ہین، اُس کے عیسائی حریفون نے تو بیشتر ان خوبیون سے لاپروائی برتی اور موجودہ زمانہ مین اُن کی وعدہ خلافی کی عادت پر خاص طور سے توجہ ہوتی ہے، ہمیشہ ایسا نہین ہوتا تھا کہ اہم ملکی اسباب کی بنا پر کوئی شخص اپنا وعدہ توڑ ڈالتا بلکہ یہ رواج ہی تھا کہ معاہدہ سے پورا فائدہ اٹھانے کے بعد اسکی خلاف ورزی کرتے اور مذہبی پیشواؤن سے بے دینون کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑنے کی معافی حاصل کر لیتے آج یہ بات بے شرمی اور ناانصافی کی اور نہایت نامناسب معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ اس زمانہ مین اس کی اجازت تھی، بلکہ غالباً ممالک عیسوی کے دشمنون سے اس طرح پر فائدہ اٹھانا مستحب سمجھا جاتا تھا، مگر صلاح الدین غیر مسلمون کے ساتھ معاہدہ پر قائم رہا حالانکہ وہ اپنے مذہب اور اُس زمانہ کے قانون کی رو سے معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والون کے ساتھ سختی سے پیش آسکتا تھا، اس نے ایسی رواداری کا اظہار کیا جس سے یورپ ناآشنا تھا اور ایسی انسانیت کا برتاؤ کیا جس سے عیسائی تقریباً ناواقف تھے، اپنے دشمنون کیساتھ ایسی مراعات اور عالی ظرفی برتی جو اعلیٰ ترین ستایش کی مستحق ہے، صلاح الدین کے بیت المقدس فتح کرنے سے تقریباً نوے سال قبل عیسائیون نے اس مقدس شہر کو فتح کیا تھا لیکن فتح کے وقت صلاح الدین نے اپنے دشمنون کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا مقابلہ جنگ صلیبی کے مبارزون کے برتاؤ سے کرتے وقت عیسائیون کو شرم آنی چاہیئے، سلطان کی عنایتین اور نوازشین عام تھین، اس کی خاکساری، نرم دلی اور مہربانی صرف سائلون، صوفیون، شاعرون اور درویشون تک محدود نہ تھی بلکہ اسکی وسعت بے یار و مددگار

عیسائیون، خطرناک دشمنون جنھین قانونِ جنگ کے مطابق وہ قتل کر سکتا تھا یا بطور غلام کے فروخت کر سکتا تھا، اور فتنہ انگیز حریفون تک تھی،

روس اور ٹیگور

ہندوستان کے ممتاز فاضل ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور آجکل روس کی سیاحت مین مصروف تھے، یورپ نے روس کے جدید انقلاب کی بنا پر جو عام بیزاری ساری دنیا مین اسکے خلاف پھیلادی ہے معلوم ہے کہ اسکے اسباب تمامتر سیاسی ہین، ہمین اس سے بحث نہین کہ موجودہ صورتِ حال یورپ کی راہ انانیت مین کس حد تک خلل انداز ہوگی، دیکھنا یہ ہے کہ تمدنی حیثیت سے یہ تحریک باشندگانِ روس کیلئے کہانتک مفید ثابت ہوتی ہے، اس سلسلہ مین ڈاکٹر ٹیگور کا یہ بیان کسی قدر دلچسپی سے پڑھا جائیگا جو انھون نے عینی مشاہدہ کی بنا پر حال مین ایک اخبار کے نمائندہ کو دیا تھا۔

"روس نے تو معجزہ کر دکھایا، مین ماسکو گیا اور دیکھا کہ جس قسم کی تعلیم روسی دہقانون اور مزدور پیشہ لوگون کو دیجاتی ہے اس سے وہ صرف کارخانون مین کام کرنے کے قابل نہین بنتے بلکہ تمدنی حیثیت سے بھی ترقی کر رہے ہین، مین نے ان سادہ مزاج روسیون کو ناچ گھر، عجائب خانہ، تھیٹر اور تمدنی زندگی کے اور تمام مرکزون مین جمع ہوتے ہوئے دیکھا، گذشتہ آٹھ دس سالون مین روس مین جسقدر ہو چکا ہے وہ ہم ہندوستانیون کے لئے ایک زبردست معجزہ سے کم نہین ہے، زار کے زمانہ مین روس کے عوام ویسے ہی جاہل اور احمق تھے جیسے آج ہندوستان کے عوام ہین، ہندوستان مین صرف پانچ فیصدی لوگ ایسے ہین جو کچھ لکھ پڑھ سکتے ہین، تعلیم یافتہ نہین محض لکھنے پڑھنے کے قابل، دس سال قبل روس کی حالت بھی اس سے بہتر نہ تھی، لیکن اب یہ دیکھکر مجھپر نہایت درجہ اثر ہوا کہ غریب سے غریب روسیون مین بھی نوشت و خواند کی ترویج، حقیقی تمدن کے عناصر اور حسن کا ذوق پایا جاتا ہے، پہلے قومی اور مذہبی مناقشات روس مین بھی عام تھے جیسے کہ آجتک ہندوستان مین عام ہین، مگر اب وہان پر تمام لڑائیان ختم ہو چکی ہین، یہودیون، آرمینیون، عیسائیون اور مسلمانون نے موالات کا سبق سیکھ لیا ہے، مجھے شبہ نہین کہ روس کے اربابِ حل و عقد تعلیمی اداروں سے معاشیاتی اور سیاسی مسائل کی اشاعت کا کام لیتے ہین، لیکن ان خیالات سے مجھے کوئی تعلق نہین، مین کسی کی معاشیاتی تعلیم پر اظہار رائے نہین کرونگا، اسلئے کہ اس مضمون سے مجھے سروکار نہین، مجھے تو اس طریق سے دلچسپی ہے جو روس نے عوام کو روشن خیال بنانے کے لیے استعمال کیا ہے، اہل روس قدیم مذہبی اعتقادات کے قائل نہین ہین، ان کا مذہب نوعِ انسان کی خدمت ہے"،

"ع، ز"

اخبارِ علمیہ

سنہ ۱۹۳۰ء کے نوبل انعامات پانیوالے

علم طبیعیات مین، اہم دسمبر کے معارف مین ہندوستانی فاضل پروفیسر رامن کے نوبل پرائز حاصل کرنے کی مسرت بخش خبر سنا چکے ہین، موصوف کلکتہ یونیورسٹی مین علم طبیعیات کے استاد ہین، ۷ر نومبر سنہ ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے، مدراس یونیورسٹی سے اعلیٰ امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی، پھر ہندوستانی سول سروس سے منسلک ہوئے، اور شعبۂ مالیات کے ایک ممتاز عہدے پر فائز کئے گیے، اور اسی کے ساتھ اپنا علمی مشغلہ بھی جاری رکھا، اور ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیون کی دعوت پر مدراس، لاہور، پٹنہ اور ناگپور وغیرہ مین آپ نے وسیع خطبے دیے، اسی کے ساتھ ہندوستان اور انگلستان کی مختلف علمی مجلسون مین علم طبیعیات کے شعبہ کی صدارت تفویض ہوئی، پھر سول سروس سے سبکدوش ہوکر مستقل طور پر کلکتہ یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے، جدید علم طبیعیات مین انکی چند اہم تصنیفات بھی ہین، جنمین سب سے اہم ترین وہ تصنیف ہے، جس مین انھون نے علم طبیعیات مین اپنے ایک جدید ترین انکشاف کی تشریح کی ہے، اور اسکو اپنے نام سے منسوب کرتے ہوئے "فعل رامن" سے موسوم کیا ہے، علم طبیعیات کے علمار و ماہرین نے موصوف کے اس جدید انکشاف کا نہایت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا، کہ اسکی بنیاد پر علم طبیعیات مین چند اہم مسائل کا اضافہ ہوا، اور اسی کے اعتراف مین موصوف کو یہ نوبل پرائز عطا ہوا ہے،

علم طب مین، سنہ ۱۹۳۰ء مین علم طب کا نوبل پرائز امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر کارل لانڈ اشٹینر کو تفویض ہوا، موصوف سنہ ۱۸۶۸ء مین پیدا ہوئے، سنہ ۱۹۰۹ء سے اپنا علمی مشغلہ جاری کیا، اور اس وقت

نیویارک کے مشہور انسٹیٹیوشن راکفلر کے شعبہ طب کے رکن خاص ہین، اسی طرح علم ادب کا نوبل پرائز امریکہ کے ایک مشہور فسانہ نویس سنکلر لوئز کو دیا گیا ہے، یہ اسوقت امریکہ کے فسانہ نگارون مین بہت زیادہ مقبول ہین، ۱۸۸۵ء مین پیدا ہوئے، یل یونیورسٹی امریکہ سے سند حاصل کی، اولاً فن صحافت مین آئے پھر فسانہ نگاری کا سلسلہ شروع کیا، اور اسوقت ان کے چند افسانے خاص شہرت رکھتے ہین، اور علم کیمیا کا نوبل پرائز پروفیسر ہانز فشر کو عطا کیا گیا، یہ میونک یونیورسٹی جرمنی مین علم کیمیا کے استاد ہین۔

شام مین ایک اہم اثری انکشاف

موسیو تھیرو ڈیبو سکریٹری محکمۂ آثار قدیمہ شام نے پیرس کے ایک آثار قدیمہ کی اکاڈیمی مین شام کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک بیان دیا ہے، جس مین ایک اہم مسماری خط کے کتبہ کا تذکرہ کیا ہے، یہ کتبہ لاذقیہ سے ۱۲ کلومیٹر پر ایک پہاڑی پر دستیاب ہوا ہے، اس کتبہ سے ایسے حروف ابجد (حروف تہجی) کا انکشاف ہوا ہے جو تیرہ سو سال قبل مسیح مستعمل تھے، یہ حروف ابجد فنیقی ہین اور ۲۸ حرفون پر مشتمل ہین، انھین اس عہد کے آرامی تمدن سے خاص لگاؤ ہے، یہ حروف اینٹ کی سلون پر کندہ ہین، اُس مین کل آٹھ سطرین ہین جو مسلسل ایک رزمیہ قصیدہ پر مشتمل ہین، جس مین فنیقیون کے قدیم افسانے بیان کئے گئے ہین، اس کتبہ کے انکشاف سے سامی مذاہب اور سامی زبانون کے اصول پر نہایت اہم روشنی پڑتی ہے، اور پھر علماے فن کے درمیان حروف ہجا کی اصل کے متعلق جو اختلافات ہین، ان مین بھی جدید کتبہ سے بڑی مدد ملے گی،

اندھون کا ایک ماہوار رسالہ

انگلستان سے اندھون کے لئے ایک ہفتہ وار اخبار "بنتس" جاری ہے جو مصور شائع ہوتا ہے،

اب اسی دفتر سے انھی حروف مین ایک ماہوار رسالہ اعلیٰ پیمانہ پر نکلنے والا ہے، یہ رسالہ دنیا مین سب سے پہلا رسالہ ہے جو اندھون کے پڑھنے کے لئے جاری ہوگا،

سیارۂ نیپچون کا طول یوم

ابھی تک سیارگان فلک مین سے نیپچون اور زہرہ کے دنون کا طول یوم دریافت نہ ہو سکا تھا لیکن ڈاکٹر مور نے اب سیارۂ نیپچون کا طول یوم مقرر کر دیا ہے، ان کی تحقیق مین وہ ۷ء۱۵ گھنٹہ کا ہوتا ہے، اب صرف زہرہ اور پلیٹو کے طول یوم کی دریافت باقی رہ گئی ہے،

اوبھرنے والے اور ڈوبنے والے جزیرے

بحر ہند مین بعض ایسے جزیرے ہین جو کبھی ڈوب جاتے ہین اور کبھی اوبھر آتے ہین، چنانچہ ۱۹۲۷ء مین ہانگ کانگ اور ملایا کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا، جس مین کچھ ڈاکو سکونت پذیر تھے، کچھ دن گذرے کہ یہ جزیرہ اچانک آپ سے آپ زیر آب ہو گیا، اور جتنے ڈاکو یہان موجود تھے سب غرقاب ہو گئے، تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس وقت یہ جزیرہ تقریباً ۲۵ قد آدم، پانی کے نیچے ہے،

ثقل سماعت اور بدہضمی

حال مین شکاگو (امریکہ) کی ایک طبی کانفرس مین اس عجیب و غریب نظریہ کا اعلان ہوا ہے کہ بدہضمی بھی ثقل سماعت کا سبب ہو سکتی ہے، نیویارک کے ڈاکٹر گوٹ لیب (DR. GOTTLIEB) کا خیال ہے کہ ثقل سماعت کے مریضون مین سے اکثرون کو معدہ اور آنتون کی شکایتین ہوتی ہین، ایسے لوگون کو خصوصاً ڈکار اور سوزش قلب کی تکلیف رہتی ہے، کھانے کے بعد دیر تک معدہ مین گرانی

رہتی ہے اور اکثر قبض رہتا ہو، ساتھ ساتھ درد سر، ضعفِ بصر اور اضمحلال کی شکایت بھی ہوتی ہو، عام طور سے یہی شکایتین ثقلِ سماعت کے پیدا ہونے سے قبل پائی جاتی ہین، ڈاکٹر موصوف نے ثقلِ سماعت کے اکتالیس مریضون کا نہایت تفصیل کے ساتھ طبی معائنہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان مین سے انتالیس کو بدہضمی کی شکایتین تھین،

مچھرون کی غذا

مچھرون کی بسر ہمیشہ خون ہی پر نہین ہوتی، وہ کثرت سے ایسے مقامات پر بھی رہتے ہین جہان کسی قسم کا خون نہین ملتا، مثلاً صحرائے افریقہ اور قطب شمالی کے برفستانی مقامات، ان کی فطری غذا پودون کا عرق ہی، حال کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قسم کے عرق کو خون پر ترجیح دیتے ہین، بہر حال اس مین شبہہ نہین کہ مچھر ان مقامات پر بھی اطمینان سے رہ سکتے ہین جہان کسی قسم کے جانور نہ پائے جاتے ہون، نر مچھر مطلق خون نہین چوستا، یہی نہین کہ مچھر کی مادہ نر سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نر کبھی نہین کاٹتا،

ہوائی جہاز اور ریلوے ٹرین کی معاونت

یورپ اور آسٹریلیا کے ہوائی جہازون مین نہایت تیز سرچ لائٹ (SEARCHLIGHTS) لگائی جارہی ہین جنکا مقصد یہ ہے کہ جہازون کے خطرہ کے اوقات مین ان روشنیون کے ذریعہ سے ریلوے ٹرینون کو روک کر مسافرون کو منتقل کر دیا جائے، ان مین سے بعض روشنیان پانچ لاکھ تی طاقت (CANDLE POWER) کی ہین، جہاز کے رہنما کو جب کوئی دشواری پیش آتی ہے تو وہ اسی روشنی سے اپنے اترنے کا اشارہ کرتا ہے اور ٹرین رک جاتی ہے،

مریض درختون کے معالجہ کیلئے ایک آلہ کی ایجاد

برلن کے مضافات مین ایک باغ کے اندر چند ماہرینِ علمِ نبات اپنے اپنے علمی تجربون مین مشغول ہین، اسی سلسلہ مین ان ماہرینِ فن نے ایک جدید آلہ ایجاد کیا ہے، جو درختون کے عوارض کی اصلاح مین کام آئیگا، یہ آلہ مریض درختون پر لگایا گیا، اور مقصد مین پوری کامیابی حاصل ہوئی، [illegible]

ادبیات

کلام شرف

(از شاہ ابو الشرف صاحب مجددی دہلوی مہاجر مدینہ منورہ)

نکلا تھا منھ سے سوزِ جگر کی لپک گئی — اٹھا وہ درد دل مین کہ بجلی چمک گئی

یہ بھی شگوفہ ایک بہار و خزان کا تھا — گلشن مین چہچہاتے ہی بلبل پھڑک گئی

نکلی کوئی امید نہ نکلے مکان سے وہ — حسرت غریب در پہ سر اپنا پٹک گئی

کچھ بھی نہ آنسوؤن سے بجھی آہ دل کی آگ — چھینٹا پڑا تو اور بھی ظالم بھڑک گئی

لو اشکِ عندلیب کے موتی بکھر گئے — موجِ نسیم دامنِ گل کو جھٹک گئی

ملجائے کچھ تو منزلِ مقصود کا پتہ — اے یاس کر مدد مری امید تھک گئی

باتین کسی کی بزم کو گلشن بنا گئین — منھ سے جھڑے وہ پھول کہ محفل مہک گئی

تنہا وہ جائین ہو نہ سکا چشم و دل سے یہ — حسرت کے ساتھ میری نظر دور تک گئی

جھونکا نسیمِ صبح کا بادِ فنا ہوا — دامن مین تھی خزان کے کلی جب چٹک گئی

وعدہ بشرطِ یاد کیا تھا جو آنے کا — بھولے سے آج یاد بھی رستہ بھٹک گئی

ہے مست اسی کی نکہتِ مستانہ کا شرف

جس پھول کی شمیم سے دنیا مہک گئی

لیے ہوئے

از جناب مشہدی صوفی آبادی،

ہے آرزو تری دلِ مضطر لئے ہوئے
بیتاب ہے حباب سمندر لیے ہوئے

آئی بہار شیشہ و ساغر لئے ہوئے
ہر موجِ گل ہے زلفِ معنبر لیے ہوئے

دیوانگیٔ شوق کا عالم ہے دیدنی
دیوانہ اور شورشِ محشر لئے ہوئے

رندانِ بادہ نوش بھی جوشِ بہار سے
اچھلیں کہیں نہ ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

پھیلی ہوئی ہی بزمِ تصور میں روشنی
پہلو میں کسکو ہے دلِ مضطر لئے ہوئے

پھر اُس کی چشمِ مست سے ہی دلکو ارتباط
پھر جھومتا ہون شیشہ و ساغر لیے ہوئے

ہر ذرہ اضطراب میں ہی فرطِ شوق سے
یعنی ہون دل میں فتنۂ محشر لیے ہوئے

پھر اُٹھ رہی ہی قلب میں اک موجِ انبساط
طوفانِ صد نشاط ہے ساغر لیے ہوئے

ہر قطرہ خونِ دل کا ہی اک وجد و رقص میں
وہ آرہے ہیں ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے

سرخ آنسوؤن کے داغِ محبت کے پھول ہین
یعنی ہی اشک گلِ تر لیے ہوئے

کیا تنگنائے دہر میں جاتا ہے سیر کو
دنیائے آرزو دلِ مضطر لیے ہوئے

دل میں نمودِ حسن سی ہے ارتقائے غم
یعنی خیالِ یار ہے نشتر لیے ہوئے

دل کا سفینہ غرق نہ ہو مشہدی کہین
ہر قطرہ اشک کا ہی سمندر لیے ہوئے

غزل

از نجم ندوی

یہ نگاہِ فریب اثر کب تک
کوئی بھٹکے اِدھر اُدھر کب تک

بحرِ ہستی میں جب قدم رکھا
موج و طوفان سے پھر حذر کب تک

پیجیئے لاکھ جامِ آبِ حیات
تلخیٔ مرگ سے مفر کب تک

گلۂ جورِ آسمان تا کے
شکوۂ آہِ بے اثر کب تک

رہے منت پذیرِ ابرِ کرم
سوزِ دل، سوزشِ جگر کب تک

رند طامع، تو نازنین ساقی
دیکھئے آئے جام ادھر کب تک

تا بکے غم مین خودکشی سے گریز
انتظارِ اجل، مگر کب تک

تا بکے زلفِ یار کا سودا
یہ ستائے گا دردِ سر کب تک

عمر بھر کون کس کو رویا ہے
روئین گے مجھکو نوحہ گر کب تک

کچھ رہائی کی بھی رہین خوشیان
ماتمِ سختِ بال و پر کب تک

کہین آسن جما کے بیٹھ رہین
نجم پھریئے گا دربدر کب تک

کلامِ تپش

شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، معلم گورنمنٹ کالج پسرور

جان دینا مرا ہنسی ہی سہی
دل لگی ہی تو دل لگی ہی سہی

کل تو رونا پڑیگا ہنس لو آج
عشق کی ابتدا ہنسی ہی سہی!

اپنے وعدے سے آپ تو نہ پھرین
میری تقدیر مین بدی ہی سہی

لطفِ ابرِ بہار تم دیکھو
دیدۂ تر، نمایشی ہی سہی

آزمایش ہے ظرفِ دلِ غط کی
میرے حصے مین کچھ کمی ہی سہی

نہ بجھاؤ مرا چراغِ وفا
رونقِ بزمِ مدعی ہی سہی

کر چکے آپ دوستی مجھ سے
آؤ کچھ روز دشمنی ہی سہی

اپنی ہستی کی کچھ خبر ہے تپش
نہ سہی بیخودی خودی ہی سہی

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے رسالے

ہم نے مارچ سنہ ۱۹۳۰ء مین اردو کے جدید اخبار و رسائل کو ناظرین کے سامنے پیش کیا تھا، اب نو ماہ کی طویل مدت مین اردو فن صحافت مین نئی پیداوار کا ایک انبار لگ گیا ہے، ہمین قدیم سنت کے مطابق آج جنوری کے رسالہ مین اردو صحافت کی نئی پیداوار کو ناظرین سے روشناس کرانا ہے،

اردو کے جدید رسائل اپنے موضوع اور دائرۂ عمل کے لحاظ سے مختلف شعبون مین تقسیم کیے جا سکتے ہین، چنانچہ ان مین سے ایک خاصی تعداد مذہبی رسالون کی ہے، پھر طویل سلسلہ علمی و ادبی رسائل کا ہے، چند پرچے مخصوص عورتون اور بچون کے شائع ہوئے، اور چند ایسے بھی ہین جو عام علمی و ادبی خدمت کے بجائے کوئی مستقل تخیل اپنے سامنے رکھتے ہین،

مذہبی رسالے | اردو کے جدید رسائل مین سے یہ چند رسالے البلاغ (لکھنؤ) قیام الدین (لکھنؤ) جامع العلوم (کانپور) تذکرہ (مئو اعظم گڈھ) آستانہ (اجمیر) اور الصدیق (لائل پور) ہین، ان مین سے بعض اگرچہ خالص مذہبی نہین، لیکن اُن کے مضامین کا بیشتر حصہ ”مذہبی اور اسلامی“ مباحث پر مشتمل ہوتا ہے،

البلاغ اڈیٹر جناب مولوی سید محمد افضل صاحب ثاقب ندوی بہرائچی حجم ۴۸ صفحے ماہوار، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت :- ۵ر پتہ دفتر البلاغ نظیر آباد لکھنؤ،

مولوی سید محمد افضل شاہ صاحب ثاقب ندوی اردو فن صحافت کے ایسے خدمتگذارون مین ہین،

جو اپنے طریقہ پر کچھ نہ کچھ ہمیشہ کرتے رہتے ہین، موصوف کے زیر ادارت البلاغ نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ لکھنؤ سے نکلتا تھا وہ اب ماہانہ رسالہ کی شکل مین تبدیل ہو گیا ہے، البلاغ کا اصل مطمحِ نظر ”تبلیغ و اشاعت“ ہے، لیکن چونکہ ایک ہفتہ وار اخبار سے رسالہ کی شکل مین بدل کر آیا ہے، اسلئے روایات قدیمہ کے پاس سے کچھ نہ کچھ سیاسی مقاصد بھی سامنے ہین، اور اسوقت اس کا دائرۂ بحث ”تبلیغ و اشاعت“ ملکی معاملات و اسلامی سیاسیات اور ایشیا اور عالم اسلامی کے درمیان رابطۂ اتحاد و اتفاق ہے، اسلئے مضامین کا بیشتر حصہ مذہبی و اسلامی مسائل پر ہوتا ہے، نیز دعوت اصلاح اور اخلاق و موعظت کا عنصر بھی شامل ہے، رسالہ مین مصر و شام کے اچھے اخبار و رسائل کے اقتباسات و تراجم خصوصیت سے ہوتے ہین، آخر مین ”اخبار عالم“ کے عنوان سے تین چار صفحون مین ایسی خبرین ہوتی ہین، جو آئندہ زمانہ کے تاریخی واقعات ہو جاینگے،

قیام الدّین اڈیٹر جناب حسن انصاری حجم ۴۸ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی متوسط درجہ، قیمت للعہ سالانہ، پتہ :- اشاعت العلوم فرنگی محل لکھنؤ،

قیام الدین، مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی مرحوم کی یادگار، مجلس اشاعت العلوم کا ماہوار آرگن ہے، رسالہ مختلف قسم کے مذہبی علمی اور ادبی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، مضامین کے پہلو بہ پہلو نظمین اور غزلین بھی درج ہوتی ہین، فرنگی محل کو جو مرکزیت حاصل ہے، اس کے لگاؤ سے کبھی کبھی رسالہ کے قلمی معاونین مین ملک کے مشاہیر کے نام بھی نظر آجاتے ہین، لیکن پھر بھی یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ابھی مضامین کے پہلو بہ پہلو تشنہ مباحث مضامین ایسے درج ہوتے ہین، جن سے ایک طرف رسالہ کے معیار کو صدمہ پہنچتا ہے، اور دوسری طرف مضامین مین باہمی توازن قائم نہین رہتا، رسالہ کو جو شرف انتساب حاصل ہے، ضرورت ہے کہ اس کے شایان شان رسالہ ترتیب پائے، لیکن مضامین کی نوعیت مین جو عام تدریجی ترقی ہے اور لائق مدیر جس جانفشانی سے رسالہ کی ترتیب و تدوین مین مصروف ہین، اوس سے توقع ہے کہ ہم اس کو ایسے معیار پر بہت جلد دیکھ لین گے جو فرنگی محل کی مرکزیت اور مولانا عبد الباری مرحوم کی ذات گرامی

کے شایانِ شان بن کر اور اسلامی ثقافت کو قائم رکھ کر اسلامی علوم وآداب کا صحیح خدمت گذار ہوگا،

جامع العلوم اڈیٹر حکیم مولوی محمد فاروق صاحب ہرانچی حجم ۴۲ صفحے قیمت سالانہ صہ پتہ مہتمم صاحب مدرسہ جامع العلوم وجامع مسجد کانپور،

ہندوستان کے مشہور شہرون مین کانپور کو یہ شرفِ اولیت حاصل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے بعد سب سے پہلے اسی شہر مین علوم عربیہ کی ترویج کے لئے ایک مدرسہ فیض عام کے نام سے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھون سے قائم ہوا اور جس نے سارے ہندوستان مین ایک مرکزی حیثیت حاصل کرلی، پھر امتداد زمانہ سے جب اسکی بنیادین متزلزل ہوئین تو اسی کی ایک شاخ **جامع العلوم** نے اس کے بار کو سنبھال لیا، اور ۱۳۲۱ھ مین وہ مدرسہ اپنی اسی شاخ مین مدغم کردیا گیا، اور اس وقت سے آج تک اس نے علوم عربیہ کی قابلِ قدر خدمت انجام دی، اور اسوقت قدیم وضع کے عربی مدرسون مین امتیازی حیثیت رکھتا ہے زیر تبصرہ رسالہ اسی مدرسہ کا ایک تبلیغی رسالہ ہے، مضامین تمامتر مذہبی ہین، نیز مدرسہ کے حالات وکوائف بھی درج ہوتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ مضامین مین کوئی خاص ترتیب نہین، یہان تک کہ فہرستِ مضامین بھی منسلک نہین، ضرورت ہے کہ رسالہ کی ترتیب وتدوین پر خاص توجہ کیجائے،

تذکرہ مرتبہ جناب ابوالمآثر اعظمی (مولوی فاضل) دفتر اشاعت "دارالمطالعہ والتصنیف" مئو اعظم گڈھ، حجم ۴۰ صفحے ماہانہ لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت عہ سالانہ

ہمارے پڑوس مئو اعظم گڈھ سے یہ جدید رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، اسوقت اس کا پہلا پرچہ پیشِ نظر ہے، مرتب نے "شذرات" مین تذکرہ کے ابواب یہ قرار دیے ہین "حقائق قران، نکاتِ حدیث، علم کلام جدید، تحقیقی تصوف، تاریخ وسیر، ادبیات، اخلاق ومعاشرت، تنقید، اخبار علمیہ، اور تراجم"، لیکن اس پہلے پرچہ مین تین تاریخی مضامین مختصر اور سرسری ہین اور "نکاتِ حدیث" کے ذیل مین

الدین النصیحۃ پر چند صفحے لکھے گئے ہین، اور دو تین نظمین اور غزلین، دعا ہے کہ رسالہ اپنے مقاصد مین آیندہ کامیاب ثابت ہو،

آستانہ (اجمیر) مدیر جناب کامل اجمیری حجم ۴۴ صفحے ماہانہ لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ پتہ:- دفتر مجلہ آستانہ اجمیر شریف،

"آستانہ" نام سے ایک ہفتہ وار اخبار اجمیر سے شائع ہوتا تھا اب اوسی کے بجائے یہ ماہوار رسالہ اسی نام سے جاری ہوا ہے، رسالہ کا پہلا پرچہ پیشِ نظر ہے، ہم اسکو صحیح طور پر "خواجہ غریب نواز نمبر" کہہ سکتے ہین، اکثر مضامین حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ ہی سے متعلق ہین، غالباً آستانہ کا دائرہ عمل تصوف وصوفیائے کرام کی حد تک محدود ہوگا اور یہی خواجہ غریب نواز کے آستانہ کے شایانِ شان ہوگا، ضرورت ہے کہ آستانہ کے صفحون مین صوفیائے کرام کے حالات وسیر اور اخلاق وموعظت کو جدید قالب مین ایسے رنگ سے پیش کیا جائے، کہ اسکو زمانہ قبول کرسکے، اور مسلمانون کے اصلاحِ معاشرت واخلاق مین سودمند ثابت ہو،

الصدیق، اڈیٹر مولوی احمد دین خانصاحب، وآنریری اڈیٹر جناب شیخ غلام رسول صاحب گجراتی۔ مقام اشاعت۔ ۵ دگ ڈاکخانہ کلیانوالہ ضلع لائل پور پنجاب حجم ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی ناقص چندہ سالانہ عہ نمونہ مفت،

یہ ایک مذہبی تبلیغی رسالہ ہے، اور اسی نوع کے مضامین اور نظمین درج ہوتی ہین، سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے، "مسلمانون کو دینداری کی صحیح تعلیم دینے والا ادبی علمی، اخلاقی، مذہبی تاریخی ماہوار حنفی رسالہ" بعض بعض پرچون مین سیاسیاتِ ہند پر بھی مضامین ہوتے ہین جنمین مسلمانون کو آل انڈیا کانگریس کے مقاطعہ کی مذہبی حیثیت سے دعوت دیجاتی ہے،

علمی وادبی رسالے اس دور مین اردو کے علمی وادبی رسائل بھی بکثرت شائع ہوئے، جنمین سے ہمین خصوصیت کے ساتھ چند رسالون آدب لکھنؤ، تسنیم آگرہ، طور دہلی، ارمغان دہلی، صوفی پنڈی بہاء الدین اور کوثر دہلی کا تذکرہ

کرتا ہے، کہ یہی ابھی تک بہ پابندی شایع ہوئے ہین؛

ادب - مرتبہ جناب سید اعظم حسین صاحب حجم ۲، صفحے ماہوار لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ للعہ نمونہ کا پرچہ ۶ ر پتہ :- دفتر ادب لکھنو،

ہم رسالہ ادب کا اجمالی تذکرہ گذشتہ تبصرہ مین سرسری طور پر پیش کر چکے ہین، اس اثنا مین متعدد پرچے نظر سے گذرے، اور ہم مسرت سے اس کا اظہار کرتے ہین کہ ہمارے معاصرین مین ایک اچھے ہمعصر کا اضافہ ہوا، یہ صحیح معنون مین ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، ملک کے اچھے اہل قلم اس کے قلمی معاونین مین ہین، تحقیقی، تنقیدی، تاریخی اور ادبی مضامین بالعموم شایع ہوتے ہین، خصوصاً ادبی نقد و تبصرہ اس کا خاص موضوع ہے، اور بہ نہایت حزم و احتیاط سے قلم اٹھایا جاتا ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ ذاتیات کی جھلک اس حزم و احتیاط پر بھی کبھی نظر آجاتی ہے، اصغر کی کتاب پر تنقید و جواب تنقید کا جو سلسلہ رہا وہ اس سے خالی نہین ہے، اگرچہ عام ادبی رسائل مین یہ طرز تنقید بھی مفقود ہے، لیکن ادب کو ہم اس سے زیادہ بلند معیار پر دیکھنا چاہتے ہین علمی حصہ مضامین پر بھی ابھی مزید توجہ کی ضرورت ہے، "سلطانہ رضیہ" پر جو مضمون شایع ہوا ہے اس کے مباحث و مواد شایع شدہ ترتیب کے بجائے دوسری ترتیب کے محتاج ہین، اسی طرح کبھی کبھی بعض مضامین کے مباحث مین تشنگی باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح رسالہ کا سرورق اٹھتے ہی حکیم دوید کے تجربون کا تعارف بھی مذاق سلیم پر بار ہے، لیکن ان خوردہ گیریون سے قطع نظر کرکے بے شبہ رسالہ کا ہر پچھلا پرچہ پہلے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، اور اگر یہی رفتار قائم رہی تو ہمین پوری توقع ہے کہ ہم بہت جلد اس کو اسی معیار پر دیکھ لینگے جو حقیقی معیار ادب ہے، اور بے شبہہ اس وقت بھی وہ ملک کے ادبی رسالون مین اپنی ایک مخصوص جگہ رکھتا ہے، اور گہوارۂ علم و ادب لکھنو کے انتساب کے شایان شان ہے،

تسنیم (آگرہ) مدیر جناب فانی بدایونی، معاون جناب مانی جائسی و مخمور اکبرآبادی حجم ۲، صفحے ماہوار کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت صہ پتہ :- دفتر تسنیم محلہ مانی تھان - آگرہ

فانی نے شاید پہلی مرتبہ دنیائے صحافت مین قدم رکھا ہے، اور اس وقت تسنیم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے،

رسالہ کو دنیائے ادب کی جس ذات گرامی سے شرف انتساب حاصل ہے، وہ اس کی کامیابی اور اس کے صحیح معیار اور صحیح ذوق کی سب سے بڑی ضمانت ہے، اس پہلے نمبر مین بھی بعض مضامین "توارد خیالات" وغیرہ اچھے بلند معیار ہین، لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے تسنیم کا سب سے اہم افادی پہلو ہر مہینہ پابندی سے کلام فانی کی اشاعت ہے، اگرچہ فانی کی غیر فانی شاعری کے ساتھ ان کی غیر مستقل مزاجی بھی شہرۂ آفاق ہے، اس لیے ابھی ہماری صرف یہی دعا ہے کہ ہمین کسی آئندہ موقع پر اس کے چند نمبرون پر یکجا تبصرہ کرنے کا موقع ملے، آخر مین معاون مدیرون کو مبارکباد دیتے ہوئے ہمین کسی قدر تامل ہے، کہ پہلے ہی پرچہ مین "غیظ و غضب" کے بجائے "غیض و غضب" شایع ہو (ص ۷) اور وہ منتخب مضامین پر نظر ثانی کرتے ہوئے اصلاح نہ کر سکین، بات معمولی ہے، لیکن ایک قابل قدر رسالہ مین ہے، اس لیے اس کا تذکرہ بھی ضروری تھا.

طور، ایڈیٹر جناب منظور احمد صاحب بی اے حجم ۷۰ صفحے ماہوار کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ
پتہ :- دفتر رسالہ طور درگاہ شریف اندرون جامع مسجد دہلی،

یہ ایک "مذہبی، ادبی اور سیاسی" رسالہ ہے، اردو کے عام ادبی رسالون سے اسکی سطح بلند ہے، قلمی معاونین کا دائرہ اچھا خاصہ ہے، اس وقت تک دو پرچے اس کے نظر سے گذرے، امید ہے کہ رفتہ رفتہ اچھی ترقی کریگا، رسالہ محنت اور جانفشانی سے مرتب ہوتا ہے، اردو کے ادبی رسالون مین متانت و ثقاہت کی جو عام کمی ہے مسرت ہے کہ کارکنان طور نے خصوصیت سے اس کا لحاظ رکھا ہے، اگر اسکی رفتار یہی رہی تو ہم بہت جلد اسکو کسی بلند معیار پر دیکھ سکین گے،

ارمغان. ایڈیٹر جناب شرف صبوحی حجم ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ قیمت عیمہ
پتہ :- دفتر ارمغان دہلی،

یہ ایک ماہوار رسالہ "مصور ادبی رسالہ" ہے، مضامین مین زیادہ تر افسانے یا "افسانہ نما" مضامین ہین، نیز اردو شعر و شاعری بھی اس کا خاص موضوع ہے، رسالہ اپنے ارزان قیمت کے لحاظ سے بیش قیمت ہے،

امید ہے کہ ادبی مضامین کے شائق اس کی ہمت افزائی کرینگے،

صوفی، مدیر جناب محمد الدین صاحب اعوان حجم ۶۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ، سرورق خوشنما، قیمت سالانہ قسم اول ے؎ قسم دوم عہ پتہ:- پنڈی بہاء الدین گجرات (پنجاب)

رسالہ صوفی عرصہ دراز سے جاری ہے، اب اس نے ایک نیا قالب بدلا ہے، اور بامعاوضہ مضامین کے اہتمام سے اچھے خاصے مضامین اسکو حاصل ہوجاتے ہین، رسالہ کے مضامین زیادہ تر تاریخی وادبی ہوتے ہین، ادب مین بیشتر حصہ افسانہ کا ہے، امید ہے کہ اس جدید نظم سے پہلے سے زیادہ بلند معیار پر شائع ہوگا،

کوثر، اڈیٹر جناب پروفیسر ظفر صاحب تابان حجم ۷۶ صفحے لکھائی چھپائی اچھی کاغذ معمولی، قیمت عہ پتہ:- دفتر رسالہ کوثر دریبہ کلان دہلی،

یہ ایک "مذہبی ادبی مصور" رسالہ ہے، مضامین مین بھی یہ دونون عنصر یکجا ہین، پروفیسر ظفر تابان عام ادبی رسالون مین برابر لکھتے رہتے ہین، توقع ہے کہ رسالہ انکی ادارت مین کامیاب ہوگا،

مدارس کے طلبہ اور کمسن بچون کے رسالے | اس اثنا مین انگریزی مدارس کے طلبہ اور کمسن بچون کے چند رسالے خزینۂ تاریخ (حیدرآباد) صحیفۂ عثمانی (کھام گاؤن) مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین (علی گڈہ) عزیز (گورکھپور) اور ہونہار (لاہور) شائع ہوئے ہین،

خزینۂ تاریخ، (حیدرآباد) مدیر جناب سید یوسف الدین متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ، حجم ۱۳۰ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط درجہ سرورق خوشنما، قیمت عہ پتہ:- دفتر بزم تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،

یہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی بزم تاریخ کا ایک غیر موقت الشیوع رسالہ ہے، اس بزم تاریخ مین، تاریخ کے مختلف موضوع پر خطبات کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور حیدرآباد اور مختلف اطرافِ ملک کے ممتاز اہل فن خطبات کے لیے مدعو ہوتے ہین، انہی خطبات کو مجلس کا بنیۂ بزم ترتیب دیکر شائع کرتی ہے، چنانچہ اس کا

پہلا رسالہ ۱۳۴۹ف مین شائع ہوا تھا، اور اب ۱۳۵۰ف کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے جو اس وقت پیش نظر ہے، اس مین سات آٹھ مضامین "اسلامی حملون سے پیشتر ہند کی عام حالت" "خوارج" "نواب مرشد قلی خان کے کارنامے"، "ملک عنبر" "امام ابن حزم" "اہم تاریخی نوشتے" اور "تاریخ بینی کے فوائد" وغیرہ ہین، پھر اسی طرح چند تاریخی نظمین "احیاء علوم" "ہمایون کا استقلال" اور "مہرالنساء" وغیرہ ہین" آخر مین بزم کے حالات وکوائف درج ہین، رسالہ دلچسپ اور خصوصاً تاریخ کے طلبہ کے لیے سودمند ہے،

صحیفۂ عثمانی، (کھام گاؤن) نگران ادارۂ تحریر خلیب سید شبیر حسین صاحب، ادارۂ تحریر جناب محمد ایوب صابر، سید افسر محمد قمرالدین خان، مرزا غلام دستگیر بیگ صاحبان، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط درجہ، قیمت درج نہین، پتہ:- دفتر صحیفۂ عثمانی انجمن ہائی اسکول کھام گاؤن (برار)

یہ انجمن ہائی اسکول کھام گاؤن کے شعبۂ بزم ادب کا ایک ماہوار علمی وادبی رسالہ ہے، رسالہ کی طباعت لاہور مین ہوتی ہے اور اشاعت کھام گاؤن سے، ہمارے پیش نظر اس وقت دوسرا نمبر ہے، جو دوسرے سے چوتھے نمبر تک تین مہینون پر مشتمل ہے، اور اس کا مجموعی حجم ۹۰ صفحے ہے، رسالہ کے قلمی معاونین مین، مشاق اہل قلم اور نومشق طلبہ دونون ہین، مضامین کا عام معیار بلند ہے، اگرچہ مضامین مین زیادہ حصہ تراجم کا ہے، لیکن انتخاب اچھا ہے، زیر تبصرہ پرچہ مین "یادِ رفتگان" (جسمین صوبہ متوسط کے اخبار ورسائل کی تاریخ ہے) "خواجہ محمود گاوان شہید" اور "شاہانِ اسلام بہ حیثیت ادیب" وغیرہ مضامین دلچسپ معلومات سے پر اور معیار کے بلند ہین، لیکن رسالہ کا خاص نقص یہ ہے کہ اکثر مضامین ناتمام ہین، مذکورۂ بالا مضامین کے ناتمام ہونے کے علاوہ جو چند افسانے ہین، وہ بھی مکمل نہین ہیں، "ادبیات" کے عنوان مین انگریزی نظمون کا ترجمہ زیادہ ہے اور اکثر کی زبان صاف سلیس اور طرزِ ادا دلکش ہے، اور بعض نظمون کی اصل بھی انگریزی ٹائپ مین چھاپی گئی ہے،

مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین، (مصور) مدیر جناب سید محمد صاحب حجم حصہ اردو ۵۰ صفحے وحصہ انگریزی ۱۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین، پتہ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ،

یہ مسلم یونیورسٹی کے اسکول کے طلبہ کا میگزین ہے، اس وقت اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، مضامین تقریبًا سب اسکول کے طلبہ کے ہین، اور بے شبہہ سب کے سب اچھے اور طلبہ کے لیے مفید ہین، جس مین چھوٹے چھوٹے اخلاقی افسانے، معاشرتی اصلاحی مباحث، تحقیقات جدیدہ پر تاریخی مضامین، اور چند مضامین شعر و شاعری سے متعلق ہین، رسالہ مصور شائع ہوتا ہے، اور تصویرین مضامین سے متعلق ہوتی ہین، زیرِ تبصرہ رسالہ مین تصویرون کے گیارہ ورق ہین، جو اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپی ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ ملک کے عام اسلامی مدارس مین بھی قبول ہوگا،

عزیز (ماہوار) ایڈیٹر جناب بدیع الزمان صاحب اعظمی حجم ۲۴ صفحے سالانہ قیمت عہ لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، پتہ: دفتر عزیز جارج اسلامیہ ہائی اسکول گورکھپور،

گورکھپور کے چند رؤسا و معززین کی سرپرستی مین کمسن بچون اور بچیون کے لیے یہ رسالہ جارج اسلامیہ ہائی اسکول سے نکلنا شروع ہوا ہے، مضامین تعلیمی اور اخلاقی ہوتے ہین، جو اسکول کے چھوٹے اور بڑے درجہ کے طلبہ کے کام آئین، مضامین کا بیشتر حصہ جناب بدیع الزمان صاحب اعظمی ٹیچر جارج اسلامیہ ہائی اسکول کے قلم سے ہوتا ہے، نیز اسلامی مدارس کے طلبہ مین مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا بھی اس کا مطمحِ نظر ہے، اور چند مضمون مین نومشق طلبہ کے مضامین درج ہوتے ہین، ضرورت ہے کہ اسکول کے مسلمان طلبہ اس رسالہ کے خریدار بنین اور اپنے مضمون نویسی کی مشق پیدا کرین،

ہونہار، (ہفتہ وار رسالہ) مرتبہ جناب اکرم صاحب بی اے حجم ۱۶ صفحے فی اشاعت، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ، قیمت صر سالانہ، پتہ:- دفتر رسالہ ہونہار ریلوے روڈ لاہور،

یہ کمسن بچون کے لیے ایک مفید، دلکش اور خوبصورت ہفتہ وار علمی رسالہ ہے، اس کے چند پرچے نظر سے گذرے اور اس وقت ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء کا پرچہ سامنے ہے، مضامین مین بچون کی تعلیمی و علمی ضروریات کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان کے معیار کے مطابق ہر قسم کا مواد فراہم کیا جاتا ہے، بعض مضامین خالص علمی ہوتے ہین، جنمین

بچون کو مفید معلومات دلکش انداز مین سمجھائے جاتے ہین، بعض مضامین تاریخی ہوتے ہین، اور ان کا اندازِ بیان بھی دلچسپ اور سبق آموز ہوتا ہے، پھر خصوصیت سے کوئی نہ کوئی اخلاقی افسانہ کہانی کے طرزِ بیان مین ہر اشاعت مین دیا جاتا ہے، اور اخیر مین ایک صفحہ خبرون کا ہے جس مین بچون کی استعداد کے مطابق خبرین درج کیجاتی ہین، اس وقت ملک مین بچون کے جس قدر رسالے نکل رہے ہین، ان مین اپنی ترتیب، تنوعِ مضامین، مباحث کی افادیت، افزائشِ معلومات، لکھائی چھپائی اور کاغذ کے معیار سے ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے، رسالہ کی زبان اور اسکی سلاست، روانی بچون کے لائق ہے، امید ہے کہ ملک مین یہ قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

عورتون کے رسالے اس طرف عورتون کے رسائل مین سے صرف ایک نیا رسالہ سرتاج ہے، جس کو صرف اس لحاظ سے نیا کہتے ہین کہ اب وہ ملتان سے لاہور چلا آیا ہے،

سرتاج (لاہور) زیر سرپرستی بیگم سر محمد شفیع صاحبہ زیر ادارت سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم علویہ رضوی دار الاشاعت سرتاج لاہور، حجم ۴۸ صفحے چندہ سالانہ پانچ روپے،

سرتاج سب سے پہلے ۱۹۲۵ء مین ملتان سے نکلا اور ۱۹۲۶ء مین مطبع کی دقتون کی وجہ سے بند ہوگیا، اس کے بعد اس کا دوبارہ اجرا ہوا، اور دوبارہ التوا، اب اس کا دفتر ملتان سے لاہور مین منتقل ہوکر آیا ہے، اور سر محمد شفیع صاحب کی بیگم صاحبہ نے اسکی سرپرستی قبول فرمائی ہے، اور اس طرح اسکی مستقل زندگی کا سہارا مل گیا ہے، اس طرف سرتاج کے چند نمبر نظر سے گذرے، محترمہ سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم طبقۂ نسوان کے مفید خدمات انجام دینے والی خاتون ہین، اور مسرت ہے کہ موصوفہ کا اپنے خدمات کی انجام دہی مین جو مطمحِ نظر ہے، وہ جادۂ اعتدال پر قائم ہے، موصوفہ کے پیشِ نظر مسلمان لڑکیون مین جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصل تعلیم و تربیت کی حقیقی روح پیدا کرنا ہے، کہ مسلمان لڑکیان جہان جدید تعلیم حاصل کرین اسی کے ساتھ اسلام کی مکمل مذہبی تعلیم سے ان مین جلا پیدا کیجائے کہ وہ اسلامی اخلاق و تربیت کا صحیح آئینہ ہون، موصوفہ نے ان مقاصد کی تکمیل کیلئے

ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے، اور انہی خیالات کی اشاعت کے لیے زیر تبصرہ رسالہ سرتاج کو جاری کیا ہے، چنانچہ موصوفہ کا یہی مطمحِ نظر سرتاج کے ہر مقالہ مین جھلکتا ہے، مضامین کا معیار بلند ہے، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے مختلف نوع کے ہوتے ہین، ادبیات کا صفحہ بھی ہوتا ہے، جسمین شریف بہو بیٹیون اور کنواری لڑکیون کے پڑھنے کے لائق نظمین اور غزلین ہوتی ہین، رسالہ عمومی حیثیت سے مفید اور دلچسپ ہے، امید ہے کہ وہ نسوانی طبقہ مین قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

کسی ایک موضوع کے ترجمان رسالے

اسی زمانۂ مدت مین چند ایسے رسالے بھی نکلے ہین جو خصوصیت کے ساتھ کسی ایک موضوع سے متعلق ہین، وہ ضیاء القریش (امرتسر)، فلم ریویو (کلکتہ) اور الکشافہ حیدرآباد مین،

ضیاء القریش، اڈیٹر قاضی عنایت علی صاحب حجم ۵۲ صفحے، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ/ پتہ:۔ رسالہ ضیاء القریش حلقہ نمبر ۱ امرتسر،

ضیاء القریش "انجمن قریشیان ہند" کا خاص آرگن ہے، یہ انجمن "قریشیانِ ہند" (جنھین عرف عام مین ریخ کہا جاتا ہے،) کی باہمی تنظیم کے لیے عالم وجود مین آئی ہے، کہ وہ ہندوستان کی اس قوم کے حالات درست کرے، اور ان کے تعلیمی، تجارتی، صنعتی اور بالخصوص معاشرتی حالات کو سدھارے، یہ رسالہ انھی مقاصد کی تبلیغ واشاعت کرتا ہے، علاوہ ازین مختلف مذہبی موضوع پر مختلف مضامین شایع ہوتے ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے دائرہ مین قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا،

فلم ریویو، ایڈیٹر دائی کے عاشق، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ عہ/ پتہ:۔ دارالاشاعت نمبر ۱۳ و ۱۲ اپٹوار بگان کلکتہ،

فلم ریویو ہندوستانی فلم سازی کا ترجمان ہے، کلکتہ سے شایع ہوتا ہے، ابتدا مین چند صفحے شذرات کے ہین، جنمین ہندوستان کی "فلمی دنیا" پر رائین ہین، پھر مضامین شروع ہوتے ہین، جو فلم سازی، فلمی مناظر کی تفصیل و تشریح، ڈرامہ کے تاریخی پہلو پر بحث اور فلم ایکٹر اور ایکٹرس کے سوانحِ حیات اور کارنامون کی تفصیل مین ہین، اسکے بعد "معلومات" کا عنوان ہے، جسمین فلمی افسانون کی خبرین درج ہین، پھر "فلم کی خبرین" کے عنوان مین بمبئی، کلکتہ اور مدراس وغیرہ کی مشہور فلم کمپنیون کی اہم خبرین درج کیجاتی ہین، رسالہ مین فلمی مناظر، فلم ایکٹر اور ایکٹرس کی تصویرین آرٹ پیپر پر شائع کیجاتی ہین،

الکشافہ (حیدرآباد) مدیر جناب محمد حمید اللہ صاحب ایم اے ال ال بی، شرکائے مدیر جناب ضیاء الدین احمد، محمد فاروق اور غلام علی صاحبان حجم ۳۲ صفحے تقطیع ۱۰×۲۲ کاغذ لکھائی چھپائی متوسط درجہ چندہ سالانہ سے/ پتہ:۔ بوے اسکاوٹ ہیڈ کوارٹرس سیف آباد حیدرآباد،

یہ حیدرآباد اردو اسکاوٹس ہیڈ کوارٹرس ٹروپ کا ماہوار فنی رسالہ ہے، اس کا موضوع بحث اسکاوٹنگ ہے، جس کا حیدرآباد مین "کشافہ" ترجمہ کیا گیا ہے، رسالہ کی اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ "اس کے تمام مضامین معاوضہ دیکر حاصل کئے جاتے ہین"، اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے، تمام مضامین موضوع سے متعلق ہین، جنمین "اسکاوٹ کے فرائض"، "اسکاوٹ کے ابتدائی معلومات" "اسکاوٹ کا نصاب تعلیم"، اور "اسکاوٹ کے نمونے اسلامی تاریخ مین بتائے گئے ہین، حیدرآباد کی یہ اسکاوٹ سوسائٹی ایک مفید کام یہ انجام دینا چاہتی ہے کہ "مورس" سسٹم کے بجائے عربی حروف مخففات مین، اشارون کی گفتگو کے طریقے ایجاد کرے. اور اس کا ابتدائی کوڈ ترتیب پا چکا ہے، اور اس دوسرے نمبر مین "اردو مورس" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی درج ہے، امید ہے کہ حیدرآباد کے علاوہ دیگر مقامات کے وہ مسلمان طلبہ جو بوے اسکاوٹس کے نظام مین شامل ہین، اس رسالہ سے فائدہ اٹھائین گے،[1]

"ر"

[1] اس مہینہ مین گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے رسالون کے خاص نمبر اور نئے اخبارات پر تبصرہ شائع نہ ہوسکا یہ آیندہ مہینہ مین پیش ہوگا،

مطبوعات جدیدہ

سلطان شہید:- از جناب محمود خان صاحب محمود بنگلوری حجم ۶۰، اصفحے کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی متوسط قیمت ۱ار پتہ جناب محمود خان صاحب نمبر ۹۴ بلاکپلی روڈ کنٹونمنٹ بنگلور،

ٹیپو سلطان کو ہندوستان کی پچھلی تاریخ مین جو نمایان امتیاز حاصل ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے، کہ اس کی ایک مستند تاریخ ہماری زبان مین لکھی جائے، اب تک اس بحث پر جو کچھ ہوا ہے وہ بیحد ناقص ہے، اس خاندان کی تاریخ کے لئے ضرورت ہے کہ فارسی، مرہٹی، انگریزی اور فرنچ مین جو کچھ ہے اسکو پڑھ کر لکھا جائے، شکر ہے کہ سلطان مرحوم کے ایک ہموطن اہل قلم جناب محمود خان صاحب محمود بنگلوری نے ادھر توجہ کی ہے، انھون نے سلطان شہید کے نام سے ٹیپو سلطان کے اجمالی حالاتِ زندگی اور اہم کارنامے قلمبند کئے ہین، کتاب گو ایک حد تک دلچسپ ہے تاہم اوسکو ہم مکمل نہین کہہ سکتے مصنف نے اپنی کتاب سلطان شہید کے ساتھ والہانہ عقیدت سے لکھی ہے سلطان کی علمی اور قومی کوششون کو پھیلا کر لکھا ہے، اوس کی رحمدلی اور بے تعصبی کے واقعات بھی درج کئے ہین، زبان مین گو غلطیان پائی جاتی ہین، مگر ہم ان کو دکھنی اردو سمجھکر مواخذہ کے قابل نہین سمجھتے، بایہمہ طرز بیان مین سلاست، روانی اور دلکشی ہے،

یوم عزا:- مصنفہ جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بی اے بی۔ ال وکیل، صدر دار التالیف، چھپرہ ضلع سارن حجم ۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۴ر پتہ:- مرغوب بک ایجنسی لاہور،

جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بی ال وکیل کو علم ہیئت وریاضی سے خاص لگاؤ ہے، اور وہ اس موضوع پر مختلف رسائل القمر وغیرہ شایع کر چکے ہین، اب انھون نے واقعہ کربلا کی صحیح شمسی تاریخ پر محققانہ نظر ڈالی ہے، اور علم ہیئت وریاضی کے مختلف اصول و قوانین سے مدد لے کر ثابت کیا گیا ہے کہ یوم عاشورا شمسی حساب سے ۱۳ اکتوبر یوم چہار شنبہ کو واقع ہوا، یہ حیثیت تو اس رسالہ کی ایک علمی حیثیت تھی، اسی کے ساتھ موصوف نے اس موضوع پر اپنے مذہبی نقطۂ نظر سے بھی بحث کی ہے، اور ماتم کنان واقعہ کربلا کو محرم کی دسوین تاریخ مین مراسم مذہبی ادا کرنے کے علاوہ ہر سال کی ۱۳ اکتوبر کو بھی یوم عزا منانے کی دعوت دی ہے اور شیعی نقطۂ نظر سے ان دونون دنون یوم عاشورا و یوم عزا مین چند مخصوص امتیازات بھی قائم کئے ہین، موصوف کو اپنی اس تحریک مین اتنا انہماک ہوا کہ صرف اسی کی خاطر انھون نے عراق کا سفر اختیار کیا، اور اپنی تائید مین عراق کے علما و مجتہدین سے فتوے حاصل کئے، جو رسالہ مین منسلک ہین، علاوہ ازین چند صفحون مین واقعۂ کربلا کا بھی اجمالی ذکر ہے، لیکن اس کے جزئیات تاریخی حیثیت سے استناد کے محتاج ہین، رسالہ مین قمری سے شمسی تاریخ معلوم کرنے کیلئے مختلف جدولین بھی دی گئی ہین،

قدیم افسانے:- مرتبہ جناب عبد القادر صاحب سروری ام اے ال ال بی شائع کردہ انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن حجم ۱۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی کاغذ لکھائی چھپائی متوسط، قیمت عہ

جناب عبد القادر صاحب سروری نے "دنیائے افسانہ" کے نام سے ایک مفید سلسلہ افسانہ جاری کیا ہے، اور مسرت ہے کہ اس تقریب مین اُن کے قلم سے اردو ادبیات مین ایک دلچسپ اضافہ ہو رہا ہے، اس کے متعدد حصے اب تک شائع ہو چکے ہین، زیر تبصرہ حصہ مین دنیا کے قدیم افسانے یکجا کئے گئے ہین، اور قدیم مصری، یونانی، روسی، ہندی، ایرانی اور عربی ادبیات مین سے مختصر

وہ دلکش افسانے کہانی کی شکل میں ترتیب دیئے گئے ہیں، اور بے شبہ سب کے سب دلچسپ ہیں، ہر افسانہ کی ابتدا میں اس کا تعارف اور اس کے متعلقہ حالات بطور تعلیق درج کئے گئے ہیں، کتاب کی ترتیب خصوصیت کے ساتھ تعریف کے لائق ہے،

تاریخ الامت :- (حصہ ہفتم) مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری حجم ۱۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط قیمت ۸؍ پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

مولانا نے تاریخ الامت کے نام سے جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کا یہ ساتوان حصہ تاریخ آل عثمان ہے، اس مین سرسری طور پر ترکون کی رزمیہ تاریخ نقل کی گئی ہے، کتاب مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ ہے، مولانا نے تاریخ الامت کے سلسلہ کو اسی حصہ پر ختم کردیا ہے، حالانکہ اس سلسلہ کی چند اہم کڑیان ابھی باقی رہ گئی ہین، مصنف نے اس آخری حصہ کے دیباچہ مین ان تبصرون کا بھی حوالہ دیا ہے جو تاریخ الامت پر وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہین، اس سلسلہ مین فرمایا ہے کہ یہ کتاب علمی نہین تعلیمی ہے، اس لئے اس پر "زبان طعن دراز" کرنا مناسب نہین، مولانا خود جانتے ہین کہ جاننے والون نے "زبان طعن" کس امر پر دراز کیا ہے، اور جواب کس امر کا وہ دے رہے ہین،

مکمل ہندسہ عملی، از جناب محمد منیر الدین صاحب بی اے مددگار ریاضی عثمانیہ سنٹرل ٹکنیکل انسٹیٹیوٹ حیدرآباد، حجم ۱۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۸؍ :- پتہ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد،

حیدرآباد کے اسکولون کے میٹرک کے درجون مین علم ریاضی پڑھانے کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے جو چار حصون مین منقسم ہے، اور ہر ایک مین میٹرک کی استعداد کے مطابق ریاضی کے مختلف مسائل مثلثون کی ساخت، ذوار بعۃ الاضلاع، ربعے اور دوائر کا ذکر ہے اور تمام مسائل کے لئے مشقین دی گئی ہین، رسالہ نصاب کے مروجہ طریقہ پر تالیف ہوا ہے،

"ر"

جلد بست و ہفتم | ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۱ء | عدد ۲

مضامین